فضیلت صیام و قیامِ رمضان

بزبانِ صاحب قرآن ﷺ

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ :

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ
وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ
وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
"جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!"۔

(بخاری ومسلم)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۵۰

شمارہ : ۱۲

رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

دسمبر ۲۰۰۱ء

اس شمارے کی قیمت ۲۰ روپے

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک	125 روپے
☆ ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	800 روپے
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700' فون 03-02-5869501

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** ________ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ **ظروف و احوال** ________ ۷

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہار رائے
خطابات جمعہ کے پریس ریلیز کے آئینے میں

☆ **تذکرہ و تبصرہ** ________ ۹

نوع انسانی کے اصل اور مستقل دشمن کون؟ ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **چشم کشا** ________ ۷۲

عالمی فساد اور افراتفری کے پیچھے کارفرما حقیقی بدروح ڈیوڈ ڈیوک

☆ **توضیح و تنقیح** ________ ۸۸

''پاکستانی معاشرے کی نئی دوقطبی تقسیم'': چند وضاحتیں ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **اسلامی معاشرت** ________ ۹۶

اسلام اور عورت شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

☆ **منهاج المسلم** (۱۸) ________ ۱۰۹

اللہ عزوجل کا ادب علامہ ابوبکر الجزائری

☆ **گوشہ سیرت** ________ ۱۱۵

اخلاقِ نبویؐ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

☆ **نگاہ واپسیں** ________ ۱۲۱

اشاریہ میثاق (جلد ۴۹، ۵۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

طالبان کی وقتی پسپائی اور عالمی میڈیا کا مکروہ کردار

کفر و اسلام اور حق و باطل کے مابین فی الوقت آج روئے ارضی پر جاری سب سے بڑا معرکہ وہ ہے جو افغانستان کی طالبان حکومت اور امریکہ اور اس کی حواری عالمی طاقتوں کے مابین ہے۔ یہ ایک عجیب معرکہ ہے جس میں ایک جانب مادّی ترقی کے بام عروج تک پہنچی ہوئی وہ عالمی طاقتیں ہیں جو ٹیکنالوجی کے اعتبار سے اس درجے ایڈوانس اور بلندی پر ہیں کہ آج سے سو سال قبل انسانی تخیل کی رسائی بھی وہاں تک نہیں تھی۔ خلیج کی جنگ کے بعد گزشتہ دس سالوں کے دوران ٹیکنالوجی نے جو بے پناہ ترقی کی ہے' جنگی میدان میں اس کے ہوشربا استعمال اور فتنہ انگیزی و ہلاکت خیزی کے تمام تر سامان کا سارا وزن بھی آج امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کے پلڑے میں ہے ___ جبکہ دوسری طرف مادی اسباب و وسائل اور تکنیکی مہارت و ترقی کے اعتبار سے دنیا کا وہ کمزور ترین ملک ہے جہاں گزشتہ ۲۵ برس سے جنگ و جدال کا بازار گرم ہے اور ''مرے کو مارے شاہ مدار'' کے مصداق گزشتہ کئی برسوں سے یو این او کی جانب سے عائد روز افزوں پابندیوں نے بھی معاشی اعتبار سے جسے مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ پیہم مصائب و آلام نے افغانستان کو مادی ترقی کے اعتبار سے اس درجے پیچھے دھکیل دیا ہے کہ اس کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ افغان باشندے آج کے عہد میں نہیں' پتھر کے دور میں جی رہے ہیں۔ ہاں طالبان کے پاس واحد قوت' قوت ایمانی ہے جو بلاشبہ عظیم ترین ہے۔

جنگی میدان میں جدید ٹیکنالوجی کے ہولناک اور ہلاک خیز استعمال کے ساتھ ساتھ امریکہ اور اس کی حلیف دیگر اسلام دشمن قوتوں کا دوسرا نہایت کاری وار میڈیا کے حوالے سے ہے۔ سب جانتے ہیں کہ عالمی ذرائع ابلاغ (میڈیا) کی باگ ڈور آج یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہی یہودی جو اس وقت روئے ارضی پر شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ ہیں۔ وہی یہودی جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت' یعنی فرعون وقت امریکہ کی گردن پر سوار ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں امریکہ اور اس کی حلیف مغربی

طاقتوں کو جن میں برطانیہ سرفہرست ہے' اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ابلیس کے ایجنٹ یہودی کو سب سے بڑھ کر دشمنی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہے' چنانچہ عالمی میڈیا نے ۱۱ ستمبر کے ہولناک واقعات کے بعد جو مکروہ کردار ادا کیا ہے وہ مسلمانان عالم کے سامنے ہے۔ وہی میڈیا آج افغانستان کی صورت حال کی اسلام مخالف تصویر کشی اور جھوٹے پراپیگنڈے کا طوفان اٹھائے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے مورال کو گرانے کی خاطر طالبان کی شکست کے جھوٹے دعوے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کئے جا رہے ہیں۔

اصل صورت حال یہ ہے کہ شمالی اتحاد نے کابل ''فتح'' نہیں کیا بلکہ طالبان نے جنگی حکمت عملی کے تحت افغانستان کے بعض علاقوں بشمول کابل سے دانستہ پسپائی اختیار کی ہے۔۔۔۔ معروف صحافی حامد میر نے بی بی سی کے ایک نمائندے سے گفتگو کے دوران یہ بات نہایت زور دے کر کہی کہ طالبان نے ہرگز شمالی اتحاد سے شکست کھا کر کابل کو نہیں چھوڑا بلکہ انہوں نے امریکہ کی وحشیانہ بمباری سے خود کو اور نہتے عوام کو بچانے کی خاطر حکمت عملی تبدیل کی ہے۔ حامد میر نے طنزاً کہا کہ ''میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق آج سے ایک ہفتہ قبل طالبان کابل کو چھوڑ کر جا چکے تھے' شمالی اتحاد نے کابل تک پہنچنے میں تاخیر سے کام لیا''۔

ہماری اطلاعات کے مطابق (جن کا ذریعہ طالبان سے براہ راست ملنے والی خبریں ہیں) صوبہ ننگرہار جس کا صدر مقام جلال آباد ہے' کا کنٹرول طالبان نے جنگی حکمت عملی کے تحت مولوی یونس خالص کے حوالے کیا ہے۔ مولوی یونس خالص کا شمار مجاہدین کے ان لیڈروں میں سے ایک نمایاں لیڈر کے طور پر ہوتا ہے جنہوں نے روس کے خلاف جہاد کیا اور بعد ازاں طالبان کی حمایت کا اعلان کیا۔ جلال آباد پر شمالی اتحاد کے قبضے کی خبر بھی دراصل عالمی میڈیا کے زہریلے کردار کا شاخسانہ ہے۔۔۔ اسی طرح کا متبادل انتظام انہوں نے بعض دوسرے صوبوں اور اہم شہروں میں بھی کیا ہے' اور وہاں مقامی کنٹرول غیر جانبدار کمانڈروں کو تفویض کر دیا ہے تاکہ وہاں کے شہری امریکی بمباری سے بچ سکیں۔ قندھار کے بارے میں میڈیا کی اڑائی ہوئی یہ خبر بھی صریحاً غلط ہے کہ وہاں شدید جنگ جاری ہے اور طالبان قندھار سے فرار ہو کر پاکستان کی طرف آ رہے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عالمی میڈیا کے ذریعے ٹی وی سکرین پر قندھار کی صورت حال کے بارے میں یہ سفید جھوٹ بولنے کا اعزاز برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کو حاصل ہوا ہے جو

امریکہ اور یہود کی کاسہ لیسی میں سب کو مات دے گئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قندھار شہر پر امریکہ کی وحشیانہ بمباری کے پیش نظر طالبان شہر کو خالی کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ قندوز میں' جو شمالی خطے کا ایک اہم شہر ہے' آج بھی طالبان کی فوج بڑی تعداد میں موجود ہے اور شہر اور ایئر پورٹ پر ان کا مکمل قبضہ ہے۔ امیر المومنین ملا عمر مجاہد اور افواج طالبان کے پائے استقامت میں بحمد اللہ کوئی لغزش نہیں آئی اور وہ اللہ کی تائید و توفیق سے پوری پامردی کے ساتھ کفر کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ بحمد اللہ طالبان کا جانی نقصان تاحال بہت ہی کم ہوا ہے۔

طالبان کی موجودہ حکمت عملی جو بظاہر ایک وقتی پسپائی اور عارضی شکست محسوس ہوتی ہے' کن دوررس نتائج کی حامل ہوگی اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا خاصا مشکل ہے' تاہم قرائن بتاتے ہیں کہ کابل پر شمالی اتحاد کا قبضہ پاکستان اور امریکہ دونوں کے نقطہ نگاہ سے خوش کن نہیں ہے۔ امریکہ کے لئے یہاں اپنی من پسند وسیع البنیاد حکومت کی تشکیل آسان نہ ہوگی اور اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ کابل میں خانہ جنگی شروع ہو جائے۔ اسی طرح طورخم کی سرحد تک شمالی اتحاد کا پہنچ جانا پاکستان کے نقطہ نگاہ سے نہایت تشویش کا موجب ہے۔ ۱۱ر ستمبر کے بعد امریکی دھمکی کے جواب میں ہم نے حکومتی سطح پر بزدلی' بے غیرتی اور بے حمیتی پر مبنی جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس کے سنگین نتائج اب ہمیں بھگتنا ہوں گے ــــ شمالی میدان سے دست برداری کے بعد بھی تاحال افغانستان کے ایک قابل ذکر حصے پر طالبان کا تسلط برقرار ہے۔ اب طالبان کے لئے اپنی قوت کو مجتمع کر کے باقی ماندہ افغانستان پر قبضے کو برقرار رکھنا اور پہاڑی سلسلوں میں مورچہ زن ہو کر امریکہ کے خلاف ایک طویل گوریلا جنگ جاری رکھنا زیادہ آسان ہوگا۔ جبکہ امریکہ کے لئے طالبان کی قوت کو کچلنا اور اپنے ''ٹارگٹ'' حاصل کرنا ان شاء اللہ مشکل سے مشکل تر ہو جائے گا ــــ اور ہمارے دل کے اطمینان کے لئے اللہ کا یہ وعدہ دوسری ہر شے سے بڑھ کر ہے کہ ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ﴾ (تم ہی بالآخر غالب و برتر ہو گے اگر تم واقعی مومن ہوئے!) ○○

افغانستان میں طالبان کی عارضی پسپائی

کے ضمن میں قرآن حکیم کی بصیرت افروز رہنمائی:

''نہ کم ہمتی کا مظاہرہ کرو، نہ ہی رنج و غم میں مبتلا ہو...... (اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ) اگر تم ایمان پر قائم رہے تو (بالآخر) تم ہی سر بلند ہو گے!○ اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو تمہارے دشمنوں کو بھی تو ایسا ہی زخم لگا تھا، اور یہ ان دنوں کو ہم لوگوں کے مابین ادلتے بدلتے رہتے ہیں تا کہ اللہ (تمہارا امتحان لے، اور) ظاہر کر دے کہ کون واقعی صاحب ایمان ہیں اور تم میں سے کچھ کو شہادت کے مقام پر بھی فائز کر دے۔ اور یقیناً اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا○ اور یہ (آزمائش اور مصیبت) اس لئے ہے تا کہ اللہ اہل ایمان کو (دل کے کھوٹ یعنی منافقت سے) بالکل پاک کر دے...... اور (بالآخر) کافروں کو نیست و نابود کر دے۔○'' (سورہ آل عمران: آیات ۱۳۹ تا ۱۴۱)

آج اکیسویں صدی کے آغاز میں جو صورت حال طالبانِ افغانستان کو درپیش ہے، گزشتہ صدی کے آغاز میں جنگ بلقان کے موقع پر وہی تُرکانِ عثمانی کو درپیش تھی...... اس وقت علامہ اقبال نے فرمایا تھا: ''اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے۔ کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!''...... تو عثمانیوں کے خون سے تو اُمت مسلمہ اور اللہ کے دین حق کے لئے کوئی نئی حیات آفریں سحر پیدا نہیں ہو سکی تھی لیکن ان شاء اللہ افغانیوں کے خون سے احیائے دینِ حق اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی نئی روح پرور سحر لازماً رونما ہوگی...... گویا

اگر افغانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

پاکستان کے حامیانِ طالبان کے لئے لازم ہے کہ ہر ممکن طریقے سے افغان بھائیوں کی امداد جاری رکھیں اور اس کے ساتھ ہی دعائے قنوت نازلہ کا اہتمام بھی۔

خادم اسلام و قرآن **ڈاکٹر اسرار احمد** امیر تنظیم اسلامی

یہ اشتہار ۱۵ نومبر ۲۰۰۱ء کو نوائے وقت (آل پاکستان ایڈیشن) میں شائع کرایا گیا۔
نیز ہینڈ بل کی صورت میں اسے وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا

ظروف و احوال

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہار رائے

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

(۱)

افغانستان کے بعد امریکہ کا اگلا نشانہ پاکستان ہوگا

۱۵ اکتوبر ۲۰۰۱ء کا خطاب جمعہ

آج نوعِ انسانی دنیا کی تاریخ کی عظیم ترین جنگ کے دہانے پر کھڑی ہے۔ یہی وہ جنگ ہے جسے احادیث میں الملحمۃ العظمٰی اور بائبل میں آرمیگاڈان کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ یہ جنگ مسلمانوں اور عالم عیسائیت کے درمیان ہوگی۔ اگرچہ اس جنگ میں ابتداءً مسلمانوں کو شدید نقصان ہوگا لیکن احادیث کی رو سے آخری فتح مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگی اور پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو جائے گا۔

صاف نظر آ رہا ہے کہ یہودیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور وہ فلسطینیوں کے خلاف کوئی ایسا بڑا اقدام کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے آگے بوسنیا کی نسل کشی ماند پڑ جائے گی۔ یہودی ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لئے مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ کو شہید کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ اسرائیل نے اپنے ان فیصلوں پر عمل کرنے کے لئے ہی امریکہ میں حالیہ ہولناک دہشت گردی کروا کر یہ کوشش کی ہے کہ امریکہ فوری طور پر مشتعل ہو کر افغانستان کے خلاف کوئی بڑا اقدام اٹھا لے اور اس دوران اسے فلسطینیوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کا موقع مل جائے۔

اسرائیل کی دلی خواہش تو یہ ہے کہ افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان اور اس کی ایٹمی صلاحیت کا بھی قلع قمع ہو جائے۔ چنانچہ ہماری حکومت کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ افغانستان کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا اگلا نشانہ پاکستان ہی ہوگا۔ لہٰذا ہمارے لئے لازم ہے کہ ابھی سے ایمان و اسلام، خودداری اور عزت نفس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے مردانہ وار ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں اور افغانستان کے خلاف امریکہ اور یہودیوں کی کسی کارروائی میں ہرگز مدد و معاون نہ ہوں۔

طاقت کے نشے میں مست امریکہ کی یہ منطق ناقابل فہم ہے کہ اسامہ کے خلاف ثبوت تو ہیں لیکن طالبان کو نہیں بتائے جائیں گے اور انہیں پبلک میں بھی نہیں کھولا جا سکتا۔ امریکہ صرف دھونس کے ذریعے اسامہ اور طالبان کے خلاف کارروائی کرنا چاہتا ہے تاکہ پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی مظلوم مسلمان ظلم کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں دہشت گردی کے خلاف کارروائی کی آڑ میں انہیں دبایا جا

سکے اور محسوس ایسا ہوتا ہے کہ ہماری حکومت بھی اس دھونس کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہے۔

(۲)

امریکہ نے اسلام کے خلاف بہت بڑی صلیبی جنگ شروع کر دی ہے

۲۱ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کا خطاب جمعہ

پاکستان کی موجودہ حکومت کا طالبان کی اسلامی حکومت کے ساتھ طوطا چشمی کا معاملہ تاریخ میں انتہائی ذلت آمیز الفاظ میں یاد رکھا جائے گا کیونکہ حکومت کا ان کے خلاف دشمنان اسلام سے تعاون غیرت وحمیت' عزت نفس اور خودداری کے تقاضوں کے منافی ہے۔ اگر ہماری حکومت امریکہ سے تعاون نہ کرتی تو آج عالمی صورت حال مختلف ہوتی' نہ صرف کئی مسلمان ممالک ہماری حمایت کرتے بلکہ چین بھی ہماری پشت پر ہوتا اور امریکہ کو اس خطے میں فوجی کارروائی کرنے سے پہلے کئی مرتبہ سوچنا پڑتا۔ افسوس پاکستان کے سرکاری ذرائع ابلاغ افغانستان کی طالبان حکومت کے خلاف زہریلا پراپیگنڈا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں جب کہ حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ طالبان کی حکومت نے ایک خالص اسلامی حکومت کی کم از کم شرائط کو سو فیصد پورا کیا ہے اور اگر کسی اسلامی مملکت پر دشمن حملہ آور ہو جائے تو تمام مسلمانوں پر اس کی حفاظت فرض ہو جاتی ہے۔ لہٰذا افغانستان اور اس کی اسلامی حکومت کی حفاظت ہمارے ایمان کا تقاضا اور جہاد فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے۔ اگرچہ حالات کے جبر کے باعث افغانستان میں ابھی اسلامی نظام کی برکات پورے طور پر ظاہر نہیں ہو سکی تھیں لیکن تمام عالم کفر اس اندیشے کے تحت دنیا کی کمزور ترین لیکن ایک خالص اسلامی حکومت پر متحد ہو کر ٹوٹ پڑا کہ اگر اسلامی نظام کی برکات دنیا کے سامنے ظاہر ہو گئیں تو ان کا سیکولر جمہوری سرمایہ دارانہ نظام جس کے بل پر یہودی پوری دنیا کو اپنا غلام بنانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اپنی موت آپ مر جائے گا۔

عالمی طور پر اس سے بڑا ظلم اور ناانصافی کیا ہو گی کہ کسی خطے کے ۹۵ فیصد علاقے پر ایک حکومت قائم ہو اور جو ملک کے صدر مقام پر قبضہ سمیت پورے ملک میں مثالی امن وامان قائم کر چکی ہو اسے اقوام متحدہ کا رکن نہ بنایا جائے بلکہ صرف ۵ فیصد پر قابض ایک باغی گروپ کو یو این او میں نمائندگی دے دی جائے۔

قرآن کے واضح حکم کے باوجود کہ یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ' ہماری حکومت نے افغان مسلمان بھائیوں کے مقابلے میں یہود اور نصاریٰ کے ساتھ دوستی کو ترجیح دی ہے۔ اس ضمن میں صلح حدیبیہ یا میثاق مدینہ سے دشمنان اسلام کے ساتھ تعاون اور دوستی کے بارے میں استنباط اس لئے بھی غلط ہے کہ یہ معاہدے حضورؐ نے کسی اسلامی ملک کے خلاف نہیں کئے تھے بلکہ دین کی سربلندی کے لئے وقتی حالات کے تحت عارضی طور پر مشرکین اور یہود سے کئے تھے۔ ان معاہدوں میں کفار کی اس طرح حمایت اور پشت پناہی شامل نہ تھی جیسی آج صدر مشرف نے کی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان معاہدوں

(باقی صفحہ ۱۱۹ پر)

تذکرہ و تبصرہ

نوعِ انسانی کے اصل اور مستقل دشمن کون؟

امیر تنظیم اسلامی کا ۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء کا فکر انگیز خطاب
بمقام قرآن اکیڈمی' کراچی

تلاوتِ قرآن پاک اور ادعیہ ماثورہ کے بعد:

آج کی نشست میں مجھے موجودہ انتہائی تشویش ناک عالمی صورتِ حال کے پس منظر پر گفتگو کرنی ہے کہ اس کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں اور نوعِ انسانی کے اصل اور مستقل دشمن کون ہیں۔ گویا ع

''کون سیاہی گھول رہا ہے وقت کے بہتے دریا میں؟''

ہوسکتا ہے کہ امن عالم تہہ و بالا ہو جائے۔ کہا جا رہا ہے کہ شاید تیسری عالمگیر جنگ شروع ہو جائے۔ بش صاحب کہتے ہیں کہ دس سالہ جنگ ہوگی۔ بظاہر تو معاملہ بہت عجیب نظر آتا ہے۔ ایک دھان پان سے آدمی اسامہ بن لادن کے خلاف عالمی طاقتیں جمع ہو کر کارروائی کر رہی ہیں۔ اُن سے ملنے والے بتاتے ہیں کہ بہت ہی دلآویز شخصیت کے مالک ہیں۔ نرم لہجہ' بہت ہی دھیمے انداز میں بات کرنے والے' متواضع اور متوازن مزاج انسان ہیں' جن کو دیکھ کر یہ اندازہ ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ شخص دنیائے کفر کی نیندیں حرام کرسکتا ہے اور اس پر دہشت گردی کے الزامات بھی لگائے جاسکتے ہیں۔ پھر آپ افغانستان کو دیکھیں کہ دُنیوی اور مادّی اعتبارات سے اس کی کیا حیثیت ہے اور

امریکہ جیسی سپریم پاور کے ساتھ اس کا کیا مقابلہ ہے' لیکن اس پر فوج کشی کے لئے کتنا اہتمام ہو رہا ہے کہ مشرق اور مغرب کے وسائل و ذرائع جمع کئے جا رہے ہیں۔ اُدھر بحیرۂ روم میں اور اِدھر بحر ہند میں ڈیگو گارشیا جیسے دور دراز علاقوں تک اپنے اڈے تیار کئے جا رہے ہیں۔ بڑے مہیب قسم کے ایئر کرافٹ کیریئرز پہنچ گئے ہیں اور ایسے ہوائی جہاز جن کی شکل دیکھ کر ہی انسان پر دہشت طاری ہو جاتی ہے' ان کے غول کے غول پہنچ رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا ہونے والا ہے؟

علامہ اقبال نے کہا تھا ع

''سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!''

آپ کے علم میں ہوگا کہ میں نے اس میں تھوڑی سی ترمیم کی ہے ع

''سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ حجاز و حولِ قدس!''

اس لئے کہ مدینہ اور نجف کو تو مَیں ایک ہی شے سمجھتا ہوں۔ وہی نورِ معرفت جو محمد رسول اللہ ﷺ سے پھیلا ہے وہی مدینے میں تھا اور اسی کے ایک حامل حضرت علی رضی اللہ عنہ نجف میں مدفون ہیں۔ حجاز میں مکہ مکرمہ بھی شامل ہے اور مدینہ منورہ بھی' جہاں قرآن نازل ہوا' جہاں قرآن کا نور اترا۔ ایک ''حولِ قدس'' ہے' یعنی بیت المقدس کے اردگرد کا علاقہ جس کو قرآن کہتا ہے: ﴿اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾ ''جس کے ماحول (اردگرد) کو ہم نے برکت دی ہے''۔ رسول اللہ ﷺ کے سفرِ معراج کا پہلا مرحلہ بیت اللہ سے بیت المقدس تک تھا اور پھر جو معراج کا خلائی سفر شروع ہوا تو اس کا آغاز اس چٹان سے ہوا جس پر گنبدِ صخرہ بنا ہوا ہے۔ بیت المقدس کے آس پاس سینکڑوں انبیاء دفن ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی پوری نسل وہاں دفن ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی ایک شاخ جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہے' اس کے سینکڑوں نبی وہاں دفن ہیں۔ وہی ان کا مرکز تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی وہیں آئے تھے۔ اولڈ ٹیسٹامنٹ اور نیو ٹیسٹامنٹ کا نزول اسی سرزمین پر ہوا تھا جو اللہ کی پرانی کتابیں ہیں اور اب تحریف شدہ ہیں۔ سورۃ المائدۃ میں فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰۃَ

﴿فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (آیت ۴۴) ''ہم نے تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا''۔ تحریف سے اس میں کمی تو آئی ہے لیکن پھر بھی ہدایت اور نور سے بالکل خالی تو نہیں ہے۔ اور اس قرآن کے بارے میں فرمایا: ﴿وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا﴾ ''اور اُس نور پر (ایمان لاؤ) جو ہم نے نازل کیا ہے''۔ تو ان دونوں کے حوالے سے اور احادیث نبویہ کے حوالے سے ؏ ''سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ حجاز و حولِ قدس!

انسانیت کا دشمن اول و اعظم......ابلیس لعین

اس وقت درپیش عالمی صورتِ حال کا پس منظر کیا ہے' پیش منظر کیا ہے' کیا کچھ ہونے والا ہے اور اس کے پیچھے کارفرما اصل کردار کون ہیں' میں آج آپ کے سامنے اس کا جائزہ پیش کرنے چلا ہوں۔ دیکھیں سب سے پہلی بات یہ کہ انسانیت کا اور نوعِ انسانی کا ازلی اور ابدی دشمن ابلیس لعین ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جو ماوراء الطبیعیات (Metaphysics) سے متعلق ہیں۔ ابلیس جن ہے اور جن غیر مرئی (invisible) دنیا سے تعلق رکھتا ہے جو نظر نہیں آتی۔ فرشتے بھی غیر مرئی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانات کی دنیا جو ہے یہ مرئی (visible) ہے۔ آج جو سائنسی نقطۂ نظر ہے اس کا عام لوگوں پر بھی یہ اثر ہوا ہے کہ وہ غیر مرئی دنیا کی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہاں عقیدہ تو ہے کہ جن بھی ہیں' فرشتے بھی ہیں' لیکن ان کی کوئی اہمیت ہماری نگاہوں میں نہیں ہے۔ ساری نگاہیں مرئی دنیا پر مرکوز ہیں۔ مابعد الطبیعیات کے مضمون کو تو اب ایک اضافی شے سمجھا جا رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسے ختم کر دینا چاہیے۔ یونیورسٹیز سے فلسفے کے ڈیپارٹمنٹس ختم ہو رہے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اصل شے یہ دنیا ہے' یہ عالم ہے' یہ کائنات ہے' یہ مادہ ہے' یہ حیاتِ انسانی اور حیاتِ دُنیوی ہے۔

اس موضوع پر میرا ایک مضمون جون ۱۹۶۶ء میں ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ' کرنے کا اصل کام'' کے عنوان سے چھپا تھا۔ اس میں مَیں نے عہد حاضر کی تہذیب کے تین بنیادی اصول واضح کئے تھے: (۱) خدا ہے یا نہیں ہے' چھوڑو اس بحث میں نہ پڑو۔

کائنات تو ہے نا! روح کوئی شے ہے یا نہیں ہے' کیا پتہ' آج تک کسی نے دیکھی ہی نہیں' لہٰذا اس کے بارے میں گفتگو کا فائدہ کیا ہے؟ وقت کا ضیاع ہے' جبکہ مادہ (matter) تو موجود ہے نا! عالم آخرہ کوئی ہے یا نہیں ہے؟ کسی نے مرنے کے بعد آ کر یہ بتایا ہے؟ لہٰذا اس بحث میں نہ پڑو' یہ عالمِ دنیا تو ہے نا! ساری توجہ اس پر صرف کرو۔ تو خدا کے مقابلے میں کائنات پر توجہ' روح کے مقابلے میں مادے اور جسم پر توجہ اور حیاتِ اُخروی کے مقابلے میں حیاتِ دُنیوی پر توجہ' یہ ہے اصل میں اس تہذیب جدید کا خلاصہ۔ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ شاید آپ کو میری کچھ باتیں ایسی لگیں گی کہ وہ دُنیوی ماحول کے متعلق نہیں' لیکن وہ دین کی بڑی بنیادی باتیں ہیں۔

قرآن مجید کا فلسفہ کائنات وانسان

اصل میں بنیادی مسئلہ جو آج ہمیں سمجھنا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا فلسفۂ کائنات وانسان کیا ہے اور عالمِ انسانیت میں جو کشاکشِ حق و باطل اور خیر وشر ہے اور جو ازل سے مسلسل جاری ہے' اس کے پیچھے کون سا فلسفہ کارفرما ہے؟ ؎

ستیزہ کار رہا ہے اَزل سے تا اِمروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی!

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے جو مخلوقات پیدا کی ہیں ان میں ایک تقسیم تو یہ ہو سکتی ہے: ذی حیات اور بغیر حیات۔ یعنی جان دار چیزیں اور بے جان چیزیں۔ بے جان چیزیں بے شمار ہیں۔ یہ تمام فلکیات' پوری کائنات' یہ زمین' یہ پہاڑ وغیرہ۔ لیکن ایک ہے جان دار مخلوق۔ ان جانداروں میں ایک تقسیم اور ہے۔ دو کا تعلق غیر مرئی (invisible) دنیا سے ہے۔ ایک فرشتے جن کی پیدائش نور سے ہوئی ہے' دوسرے جنّات جو انسانوں سے پہلے اور نار (آگ) سے پیدا کئے گئے ہیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝﴾ ''جنّات کو تو ہم بہت پہلے پیدا کر چکے تھے آگ کی لپٹ سے''۔ فرشتے اور جنّات یہ دونوں نظر نہ آنے والی مخلوق ہیں۔ تیسری قسم میں انسان اور اس دنیا میں جتنے بھی حیوانات ہیں سب شامل ہیں۔ ان کا تعلق مرئی

(visible) دنیا سے ہے۔ ان کا مادۂ تخلیق یہ زمین ہے' یہ تراب (مٹی) سے بنے ہوئے ہیں' قشرارض (Crust of the earth) سے بنے ہوئے ہیں۔

اب ان میں ایک تقسیم اور ہے۔ ایک تو یہ کہ ان تمام میں شعور موجود ہے' حیوانات میں بھی شعور تو ہے' مگر خود شعوری جسے کہتے ہیں یہ صرف تین میں ہے' فرشتہ' جن اور انسان۔ حیوانات میں خود شعوری نہیں ہے۔ شعور اور خود شعوری کا فرق اس طرح سمجھئے کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں' آپ مجھے دیکھ رہے ہیں' کوئی کتا بھی یہاں ہوتا تو وہ مجھے دیکھ رہا ہوتا' لیکن کتے کو دیکھتے ہوئے یہ احساس نہیں ہوتا کہ ''میں دیکھ رہا ہوں''۔ یعنی کتے کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ دیکھ رہا ہے۔ دیکھ تو وہ رہا ہے' لیکن اسے ''میں'' کا احساس نہیں ہے۔ میں جب دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ میں کوئی شے ہوں جو دیکھ رہا ہوں۔ یہ خود شعوری ہے' یعنی کسی بھی کام کو کرتے ہوئے اپنے وجود کا احساس کہ یہ میرا فیصلہ ہے' میری رائے ہے۔ یہ ہے درحقیقت خود شعوری' انا' خودی۔ یہ حیوانات میں نہیں ہے۔ یہ صرف ملائکہ' جنات اور انسان میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے ملائکہ کو اور انسانی ارواح کو نور سے پیدا کیا' پھر نار سے جنات کو پیدا کیا' پھر مٹی سے جسدِ آدم کو بنایا اور اس میں روح پھونک دی تو آدم بن گئے۔ اللہ نے اعلان کر دیا کہ خلافتِ ارضی جو ہے وہ آدم کو عطا کی جا رہی ہے۔ اس پر ایک بڑا پر پیچ مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ اس پر تھوڑا سا اشکال تو فرشتوں کو بھی ہوا۔ قرآن حکیم میں سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں فرشتوں کا یہ قول نقل ہوا ہے: ﴿قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ﴾ یعنی پروردگار! تُو اس آدم کو زمین کے اندر خلافت اور اختیار دے رہا ہے؟ یہ تو زمین میں فساد برپا کر دے گا اور خون ریزی کرے گا' جبکہ ہم تیری تسبیح و تحمید میں لگے ہوئے ہیں' جو حکم ہو' ارشاد ہو ہم بجا لاتے ہیں۔ تو اس کی ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب اللہ نے یہ دیا: ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ جو میری مشیت اور میری حکمت ہے وہ میں ہی جانتا ہوں' ضروری نہیں کہ تم اس میں

share کر سکو۔ لیکن جنّات میں سے ایک جن تھا عزازیل جو آدم کو خلافت ارضی عطا ہونے پر تکبر اور حسد کا شکار ہو گیا۔ دیکھئے جنّات کو ملائکہ کے ساتھ اس اعتبار سے قرب حاصل ہے کہ وہ نور سے پیدا کئے گئے اور یہ نار سے پیدا کئے گئے' جبکہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ آگ بھڑکتی ہے' لپکتی ہے' اوپر اٹھتی ہے' اس میں توانائی ہے۔ نور اور نار میں بڑا قرب ہے اور عربی کے ایک قاعدہ کی رو سے یہ ایک ہی لفظ ہے' اس لئے کہ دونوں کا مادہ ایک ہی ہے۔ حروفِ علت تو ایک دوسرے کی جگہ آ جاتے ہیں۔ ''ا' و' ی'' حروفِ علت ہیں۔ نور میں واوَ ہے اور نار میں الف ہے۔ اس اعتبار سے ان دونوں میں یہ قرب ہے۔ اگرچہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فرشتہ نور سے پیدا کیا گیا ہے' وہ پاک ہے اور وہ اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتا۔ ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ (التحریم:۶) ''اللہ تعالیٰ ان کو جو بھی حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے' بلکہ جو حکم دیا جاتا ہے اسے مان لیتے ہیں''۔ ذرا سا اشکال تھا' جواب مل گیا تو خاموش ہو گئے۔ لیکن عزازیل نامی جو ایک جن تھا ـــــ ایک تو جن ہونے کی وجہ سے اسے فرشتوں سے کچھ نہ کچھ قرب تھا' دوسرے یہ علم میں' زہد میں اور عبادت میں اتنا اونچا تھا کہ ملائکہ ہی کی صف میں شامل ہو گیا تھا ـــــ اس نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ جب فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے اسے سجدہ کیا لیکن عزازیل نے اس سے انکار کر دیا اور بغاوت پر اتر آیا۔

یہ جن فرشتوں میں کیوں شامل ہو گیا؟ اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ آدم کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں اور جنوں سب کو تھا لیکن فرشتوں کا ذکر بر سبیل تغلیب کیا گیا ہے۔ گویا سجدے کا حکم تمام جنّوں کے لئے تھا جن میں یہ بھی شامل تھا اور اس نے سرتابی کی۔ بعض اور جنّوں نے بھی کی ہو گی لیکن یہ ان کا سرخیل تھا' اس لئے اس کا ذکر قرآن مجید میں آ گیا۔

ایک اور رائے یہ ہے کہ اگرچہ یہ جن تھا' لیکن اپنے زہد' علمیت' تقویٰ اور عبادت گزاری کی بنیاد پر فرشتوں میں شامل ہو گیا تھا ـــــ اور پھر جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے'

فرشتوں اور جنّوں میں مادۂ تخلیق کی بنیاد پر فرق بہت تھوڑا ہے' وہ نوری مخلوق ہیں اور یہ ناری۔ بہرحال ابلیس نے انکار کرکے علم بغاوت بلند کیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی کہ پروردگار! تو مجھے قیامت تک کے لئے مہلت دے کہ میں یہ ثابت کردوں کہ یہ آدم اور اس کی ذریت اس منصب کی اہل نہیں' میں انہیں گمراہ کرکے چھوڑوں گا اور انہیں غلط راستوں پر لے کر جاؤں گا' انہیں تیری توحید کی صراطِ مستقیم سے موڑ کر مختلف پگڈنڈیوں پر لے جاؤں گا اور تو دیکھے گا کہ اِن کی اکثریت تیرے فرمانبردار اور شکرگزار بندوں کی نہیں ہے۔

اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ قرآن مجید میں سات مرتبہ آیا ہے اور استعارے کے طور پر نہیں بلکہ واقعے کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس کے باوجود جب سائنس کے زیر اثر ایک نیا دور شروع ہوا اور Newtonion دور کے آنے کے بعد ہمارے ہاں سرسید احمد خان (اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے) نے نیا علمِ کلام شروع کیا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ نہ فرشتوں کا کوئی وجود ہے اور نہ جِنّات کا۔ حقیقت یہ ہے کہ فرشتوں کا اپنا صاحب تشخص وجود ہے' اگرچہ غیر مرئی ہے' ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے' لیکن فرشتہ انسانی شکل اختیار کر سکتا ہے' اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بارہا انسانی شکل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حدیث جبرئیل تو "اُمُّ السُّنَّة" کہلاتی ہے' جس میں حضرت جبرائیلؑ نے انسانی شکل میں آکر حضور ﷺ کو تعلیم امت کیلئے دین کے بنیادی حقوق بتلائے۔ اسی طرح جِنّات آگ سے پیدا کئے گئے' تاہم وہ آگ نہیں ہیں۔ جیسے ہم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں' لیکن ہم مٹی نہیں ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مرنے کے بعد ہمارا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا' لیکن اس وقت یہ پروٹوپلازم ہے اور living matter ہے۔ اسی طرح جِنّات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے' لیکن وہ آگ نہیں ہیں' یہ بھی غیر مرئی ہیں اور انسانی شکل اختیار کرکے انسانی معاشرے میں آسکتے ہیں۔ تو درحقیقت یہ ہیں وہ عقائد کہ جن کے بارے میں جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن متزلزل ہیں۔ فزکس کے نیوٹونین (Newtonion) دور کے شروع ہوتے ہی اس طرح کے شبہات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ جیسے قرآن مجید میں منکرین قیامت کا قول نقل ہوا

ہے کہ ﴿ اِنْ نَّظُنُّ اِلاَّ ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴾ یعنی کچھ گمان سا تو ہوتا ہے کہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور حساب کتاب ہو گا تو بات معقول ہے کہ جزا و سزا ہونی چاہئے' نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ ملنا چاہئے اور بد کاروں کو ان کی بد کاری کی سزا ملنی چاہئے' تو گمان کی حد تک تو آپ کی بات سمجھ میں آتی ہے' لیکن اس پر دل نہیں ٹھکتا' یقین نہیں آتا۔ اسی طرح آج کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اِن چیزوں کو مانتا تو ہے کہ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے اور تمام علماء بھی کہتے ہیں کہ یہ چیزیں عقائد میں شامل ہیں' انہیں تسلیم کیا جانا ضروری ہے' لہٰذا مان تو لیتے ہیں لیکن وہ پختہ یقین پیدا نہیں ہوتا کہ واقعتاً یہ حقائق ہیں' حالانکہ اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ واقعہ سات مرتبہ آیا ہے کہ فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آدمؑ کے آگے جھکیں اور وہ سب کے سب جھکے سوائے ابلیس کے۔ ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلاَّ اِبْلِیْسَ ﴾ یہ قِصّہ قرآن مجید میں ایک مدنی سورۃ یعنی سورۃ البقرہ میں اور باقی چھ مکی سورتوں میں' یعنی الاعراف' الحجر' بنی اسرائیل' کہف' طٰہٰ اور صٓ میں آیا ہے۔

قِصّہ آدم و ابلیس ——— سورۃ الاعراف کے آئینے میں

سورۃ الاعراف میں اس واقعے کا ذکر اس طرح ہے :

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلاَّ اِبْلِیْسَ ؕ ﴾

"اور (دیکھو اے انسانو!) ہم نے تمہاری تخلیق کی اور پھر تمہاری ایک خاص صورت گری کر دی' پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ جھک جاؤ آدم کے آگے تو وہ سب کے سب جھک گئے سوائے ابلیس کے۔"

اس کے ضمن میں سورۂ کہف میں وضاحت آئی ہے کہ :

﴿ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ﴾

"وہ جنوں میں سے تھا' لہٰذا اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی"۔

یہ چونکہ جن تھا' صرف اپنے زہد و عبادت اور تقویٰ کی وجہ سے فرشتوں میں شامل ہو گیا تھا' تو اس موقع پر اس کے اندر وہ شیطنت پیدا ہو گئی کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے

سے انکار کر دیا۔ ﴿ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ ﴾ "وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہیں ہوا"۔

﴿ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ "(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا؟" ﴿ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ﴾ "کہا میں اس سے بہتر ہوں"۔ ﴿ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ ﴾ "مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے"۔

اب یہ سمجھ لیجئے کہ در حقیقت یہ اپنی برتری کا احساس ہی تھا کہ تکبر 'گھمنڈ' غرور اور سرکشی کی وجہ سے اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو اصل میں ابلیسیت کا حقیقی سبب یہی تکبر اور گھمنڈ ہے۔ اور اس تکبر اور گھمنڈ کی وجہ سے اس میں حسد بھی پیدا ہو گیا۔ دیکھئے یہاں ابلیس کے معنی نوٹ کریں۔ اَبْلَسَ 'يُبْلِسُ انتہائی مایوس ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ جب اس نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی تو اللہ کی رحمت سے دُور ہو گیا' اللہ کی لعنت کا مستحق قرار پایا' راندۂ درگاہِ حق ہو گیا اور اسے اپنے لئے خیر اور بھلائی کی کوئی امید نہیں رہی۔ مُبْلِسْ اسے کہتے ہیں کہ جو بالکل مایوس ہو چکا ہو۔ اِبلیس' اِفعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے "انتہائی مایوس شخصیت"۔ چنانچہ اس مایوسی کے عالم میں اب اس نے اس بات پر کمر کس لی کہ "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے!" کہ میرا تو جو بیڑا غرق ہونا تھا وہ ہو گیا' اب میں آدم اور اس کی نسل کو بھی گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ اس کو یہ درجہ کیوں ملا کہ مجھے اس کے آگے جھکایا گیا؟ تو یہ دراصل حسد ہے کہ جس کی آگ میں وہ جل رہا ہے۔ ایک تو وہ خود بھی آگ سے بنا ہوا ہے اور دوسرے اس پر مزید حسد کی آگ' تو یہ "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" کے برعکس "نَارٌ عَلٰی نَارٍ" والا معاملہ ہو گیا۔ لہٰذا ایک تو حسد اور اس کے علاوہ گھمنڈ اور تکبر نے اسے انتہا تک پہنچا دیا۔ اس کے گھمنڈ اور تکبر کا ذکر سورۃ البقرہ کے چوتھے رکوع میں بھی آیا ہے کہ : ﴿ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ "اس نے انکار کیا اور گھمنڈ کیا اور انکار کرنے والوں میں سے ہو گیا۔"

اس کے بعد فرمایا : ﴿ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا ﴾ "اللہ نے

فرمایا کہ تم یہاں سے نیچے اترو' تمہیں یہ حق نہیں کہ تم اس میں تکبر کرو"۔ یعنی یہ جنت ہی میں مقیم تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے وہاں سے نکال دیا۔ ﴿ فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ ﴾ "پس نکل جاؤ' اب تم جھوٹے اور ذلیل و رسوا لوگوں میں سے ہو گئے۔"

﴿ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ "(اس نے ایک عرضداشت پیش کی اور) کہا پروردگار! مجھے اس دن تک کے لئے مہلت دے دے کہ جس دن یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے"۔ یعنی جس دن سارے انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور بعث بعد الموت کا مرحلہ پیش آئے گا' اُس دن تک کے لئے میری زندگی دراز کر دے!

یہ نوٹ کر لیجئے کہ جِنّات کی زندگیاں ہماری زندگیوں سے کہیں زیادہ طویل ہیں۔ ان کی زندگی ہزار برس کی بھی ہو سکتی ہے' دو ہزار برس کی بھی ہو سکتی ہے' لیکن ابدی زندگی ان میں سے کسی کی بھی نہیں ہے' سوائے اس خاص جن ابلیس کے کہ جس کا اصل نام عزازیل تھا اور جس نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کی خصوصی مہلت مانگی کہ میں اس آدم اور اس کی نسل کو تباہ و برباد اور گمراہ کر کے تجھے دکھادوں گا اور ثابت کر دوں گا کہ یہ اس منصب کے اہل نہیں ہیں کہ جو تُو نے انہیں عطا کیا ہے۔ ﴿ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ ﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ تمہیں مہلت دے دی گئی!"

اب اس کی ابلیسیت اس طرح اس کی زبان پر آئی کہ اس نے کہا کہ پروردگار! جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ـــــ یعنی تو نے ہی آدم کو یہ شرف' مقام اور مرتبہ عطا کیا کہ مجھے اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور تیرے ہی اس حکم کی نافرمانی کی وجہ سے میں راندۂ درگاہ ہو گیا' چنانچہ تیرا ہی فعل ہے کہ جو میری اس گمراہی کا سبب بنا۔ تو گویا تو نے ہی مجھے گمراہ کیا۔

﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ "کہنے لگا: اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے تو اب میں تیری (توحید کی) صراطِ مستقیم پر اُن انسانوں کی گھات میں بیٹھوں گا (اور ان پر تاک لگا کر حملہ کروں گا)"۔ ﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ ﴾ "پھر میں اُن پر سامنے سے بھی حملہ آور ہوں گا اور ان کے پیچھے سے بھی' اور ان کے دائیں جانب سے بھی اور بائیں

جانب سے بھی"۔ ﴿ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ ﴾ "اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔"

﴿ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴾ "اللہ نے فرمایا : تو دفع ہو جا یہاں سے مذمت زدہ ہو کر ٹھکرایا ہوا" ﴿ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ "ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تو میں لازماً تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا"۔ یعنی جنّات میں سے سب سے پہلے تو خود تمہیں اور پھر جنّات میں سے جو تیری پیروی کریں گے اور انسانوں میں سے بھی جو تیری پیروی کریں گے' ان سب سے میں جہنم کو بھر دوں گا' یہ میرا فیصلہ ہے۔

اب یہ فیصلہ سنانے کے بعد فرمایا : ﴿ وَيٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا ﴾ "اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنّت میں رہو اور جنّت میں جہاں سے جو چاہو کھاؤ" ﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ "مگر (ایک درخت کی طرف اشارہ کر دیا کہ) اس درخت کے قریب مت پھٹکنا' ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ ﴾ "اب شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کی" ـــــ اس وسوسہ اندازی کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے شیطان اور اس کے چیلوں کو دے رکھی ہے' جیسا کہ سورۃ الناس میں فرمایا : ﴿ اَلَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴾ "وہ کہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے" تو اسی طرح کی وسوسہ اندازی اس نے آدم اور حوا کے دلوں میں بھی کی۔

﴿ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا ﴾ "تاکہ کھول دے اُن پر اُن کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں"۔ یعنی آدم اور حوا کو جنّت کی رہائش کے دَوران اللہ تعالیٰ نے جنّت کا کوئی لباس عطا کر رکھا تھا' جس کے بارے میں اِس وقت ہم نہیں جان سکتے کہ وہ کیسا تھا' لیکن اس درخت کے پھل کھانے کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ عریاں ہو گئے اور اُن پر اُن کی شرمگاہیں نمایاں ہو گئیں۔ سورۃ طٰہٰ میں یہ بھی آتا ہے کہ جب انہیں اپنے برہنہ ہونے کا احساس ہوا تو انہوں نے جنّت کے پتوں سے اپنی

شرمگاہوں کو ڈھانکنا شروع کر دیا ـــــ بہرحال یہاں شیطان کی وسوسہ اندازی کا ذکر ہو رہا ہے: ﴿ وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ ﴾ "(شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہوئے) کہا کہ تمہارے رب نے تو تمہیں اس درخت سے محض اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔" حالانکہ خود فرشتوں سے تو آدم علیہ السلام کو سجدہ کروایا گیا تھا ـــــ لیکن ایک تو انسان کی سرشت میں نسیان کا مادہ رکھا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ شیطان کے اغواء سے اثر قبول کر لیتا ہے' اگرچہ شیطان کو اس پر اختیار نہیں ہے' تاہم وہ وسوسہ اندازی کے ذریعے اور طرح طرح کے خیالات پیدا کر کے انسان کو غلط راستے پر ڈال سکتا ہے۔

﴿ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ﴾ "اور اس نے اُن دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تو تمہارا سچا خیر خواہ ہوں"۔ میں تمہاری خیر خواہی میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اس درخت کے پھل کو کھا لو۔ ﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ ﴾ "پھر ان دونوں کو اس نے دھوکے سے پھسلا لیا۔"

﴿ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ ﴾ "پھر جب ان دونوں نے اس درخت کا مزہ چکھ لیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ جنت کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو ڈھانکنے لگے"۔

اس سے آگے چند آیات کے بعد بنو آدم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ﴾ "اے بنی آدم! بے شک ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا جس سے تم اپنی شرمگاہوں کو چھپاتے ہو اور یہ تمہارے لئے آرائش بھی ہے"۔

﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ﴾ "اور ان سب سے اوپر ایک لباس تقویٰ کا ہے جو بہت ہی بہتر ہے"۔ یہ درحقیقت انسان کی شخصیت میں شرم' حیا' عفت و عصمت کی صفات ہیں۔ اور انہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ" یعنی

حیا ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ چنانچہ حیا کی صفت تو سب سے اعلیٰ ہے۔ ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ ﴾ "یہ اللہ کی آیات میں سے ہیں (جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں) تاکہ یہ نصیحت اخذ کریں۔"

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ط ﴾ "اے بنی آدم! کہیں یہ شیطان تمہیں بھی اسی طرح فتنے میں مبتلا نہ کردے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین (حضرت آدم اور حضرت حوا) کو جنّت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے"۔ ﴿ اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط ﴾ "وہ اور اس کے ساتھی (یعنی عزازیل نامی جن ابلیس اور اس کے ساتھ اس گروہ کے دوسرے جِنّات' کیونکہ جِنّوں میں سے اکثریت سرکشوں کی ہے) تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں (تمہیں تاکتے ہیں' تم پر حملہ آور ہوتے ہیں) جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے"۔ کیونکہ یہ جن غیر مرئی ہیں' نظر نہیں آتے۔ کوئی انسان دوسرے پر حملہ کرے تو اگر وہ اور کچھ نہ کرسکے تو کم از کم مدافعت کے لئے ہاتھ پاؤں تو مار سکتا ہے اور جس چیز سے بھی حملہ کیا جارہا ہو اس سے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی تدبیر کرسکتا ہے' لیکن اس شخص سے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی کہ جو نظر ہی نہ آرہا ہو؟ چنانچہ یہ جن تو ایسی جگہ سے حملہ کرتے ہیں کہ ان کو دیکھا ہی نہیں جاسکتا۔ ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ "ہم نے ان شیطانوں کو دوست اور پشت پناہ بنا دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے۔" چنانچہ ایمان سے تہی دست لوگ کہ جو اللہ پر' فرشتوں' آخرت' کتابوں اور نبیوں پر ایمان نہیں رکھتے' پوری طرح سے شیطان کے قابو میں ہوتے ہیں کہ وہ انہیں جس کھائی میں چاہے جاکر پٹخ دے' جس کنوئیں میں چاہے لے جاکر پھینک دے' کیونکہ انہوں نے ایمان نہ لاکر خود شیطان کو اپنا ولی اور پشت پناہ بنالیا ہوتا ہے۔

بنی آدم کے لئے ابلیس کا چیلنج

مذکورہ بالا آیات قرآن مجید میں سورۃ الاعراف میں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مضمون قرآن مجید میں تین جگہوں پر شیطان کے چیلنج کے ساتھ آیا ہے' جبکہ سات میں سے

ثقافت کے نام پر دنیا میں عام کر سکتا ہے' لیکن زبردستی کسی کو راہِ ہدایت سے ہٹا کر کفر اور شرک کی حالت میں نہیں لے جا سکتا"۔ ﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○ ﴾ "اور کافی ہے (اے نبی ﷺ) آپ کا رب کارساز کے طور پر" —— وہ اپنے بندوں کی مدد اور سہارے کے لئے کافی ہے' کیونکہ وہی ان کا پشت پناہ اور دوست ہے۔

دو اور سورتوں یعنی الحجر اور ص میں تقریباً ایک جیسے الفاظ میں یہ مضامین آئے ہیں۔

﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ○ ﴾ "اللہ نے فرمایا کہ (اے ابلیس!) نکل جا یہاں سے' کیونکہ تو مردود ہے (لعنت زدہ ہے)"

یہ آیت دونوں مقامات پر جوں کی توں آئی ہے۔

﴿ وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ○ ﴾

"اور اب جزا و سزا کے دن تک کے لئے تجھ پر لعنت ہے"۔

یہ تو سورۃ الحجر میں فرمایا' لیکن سورۃ ص میں ایک لفظ کا فرق ہے: ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ○ ﴾ "اور اب تجھ پر میری لعنت جزا و سزا کے دن تک رہے گی"۔ ﴿ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ ﴾ "شیطان نے کہا کہ پروردگار! مجھے مہلت دے دے اس دن تک کے لئے کہ جس دن تو انہیں دوبارہ اٹھائے گا"۔ ﴿ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ ﴾ "فرمایا: تمہیں مہلت دے دی گئی اُس معلوم وقت کے دن تک کے لئے"۔

یہ تینوں آیات سورۃ الحجر اور ص میں بالکل ایک ہی طرح دہرائی گئی ہیں۔ ﴿ قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ "اس نے کہا کہ پروردگار! جیسا کہ تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں ان کے لئے زمین میں دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو لازماً بہکا دوں گا"۔ یہ بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں جو سورۃ الاعراف میں آئے ہیں۔

قرآن حکیم میں سورۂ کہف کے حوالے سے یہ بات آئی ہے کہ انسان کی دلفریبی کے لئے سب سے بڑی چیز زمین کی زیبائش' اس کی چمک دمک اور اس کی رونقیں' دولت' بلڈنگیں اور ساز و سامان ہے کہ آدمی جن کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو جاتا ہے اور

اس طرح دنیا کا اور اس کے ظواہر کا پرستار بن جاتا ہے۔ ابلیس نے یہ بات بڑی زور دے کر کہی تھی کہ ﴿ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ "اور میں انہیں ضرور اغوا اور گمراہ کر کے چھوڑوں گا"۔

سورہ ص میں ﴿ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ کے الفاظ نہیں ہیں' بلکہ وہاں فرمایا : ﴿ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ﴾ "(اے پروردگار!) میں تیری عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا"۔ ﴿ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾ "سوائے ان میں سے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے اپنے لئے خاص کر لیا ہو" یعنی ان پر تو میرا اختیار نہیں ہو گا' باقی پوری نوعِ انسانی کو میں ڈھانٹ دے دوں گا۔

مذکورہ بالا بیان سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کے نزدیک یہ مضمون کتنا اہم ہے کہ سات مقامات پر اس واقعے کا ذکر آیا ہے اور پھر سات میں سے چار مقامات پر شیطان کے اس واضح چیلنج کا ذکر آیا ہے کہ میں نوعِ انسانی کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ اور اِس کے علاوہ یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے گمراہ ہوا اور آدم کے مقام' مرتبہ اور عزت کی وجہ سے اس کے اندر حسد پیدا ہوا۔ اور یہی دو بنیادی بیماریاں ہیں کہ جن کی وجہ سے اس کے اندر نوعِ انسانی کے لئے شدید دشمنی ہے' چاہے اس دشمنی میں اس کا اپنا فائدہ نہ ہو۔ چنانچہ یہی چیز معلوم بھی ہوتی ہے کہ اس کا اس میں اپنا کوئی فائدہ نہیں ہے' لیکن اپنے غصے اور حسد کی وجہ سے نوعِ انسانی کی دشمنی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ سورۂ فاطر میں فرمایا :

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾

"بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' تو تم بھی اسے دشمن ہی خیال کرو۔"

اور سورۂ کہف میں ارشاد فرمایا :

﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ﴾

"کیا تم نے شیطان لعین اور اس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر دوست بنا لیا ہے' حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں"۔

تو درحقیقت یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس دنیا میں انسان دشمنی کے سارے ہتھکنڈے یعنی بدی' شر' برائی' بے حیائی کی ترغیب یہ سب گویا شیطان کی اسی مہلت کا مظہر ہے کہ جو اس نے اللہ تعالیٰ سے لی ہوئی ہے' اور وہ اس مہلت کو اسی کام کے لئے پوری طرح سے استعمال کر رہا ہے۔

حزب الشیطان بمقابلہ حزب اللہ

اب مزید یہ نوٹ کیجئے کہ اس ابلیس کے ساتھ ایک فوج بھی ہے' جسے قرآن مجید میں کہا گیا ہے ﴿اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ﴾ ''یہ شیطان کی پارٹی ہیں''۔ شیطان اکیلا نہیں ہے۔ ایک تو وہ عزازیل یا ابلیس ہے جس کو اللہ نے طویل ترین عمر دے دی' وہ تو قیامت تک رہے گا۔ باقی جنّات بھی جو اُس کی نسل میں سے یا اس کی نوع میں سے ہیں' بہت طویل عمر رکھتے ہیں۔ جنّات کے علاوہ وہ اپنی فوج میں انسانوں میں سے بھی رنگروٹ بھرتی کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال منافقین مدینہ ہیں' جو بظاہر حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے تھے' حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والے تھے' اسلام کا دعویٰ کرنے والے تھے' لیکن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ (المجادلۃ:۱۸) ''یہی ہیں شیطان کی پارٹی کے لوگ' اور آگاہ رہو کہ شیطان کی پارٹی والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں''۔ اس کے مقابلے میں اللہ کی پارٹی ہے۔ جو اُس کے مخلص بندے ہیں وہ اللہ کی پارٹی ہے اور جو شیطان کے مرید بن گئے' اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی' وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں' چاہے وہ جنّات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ بلاشبہ انسانوں میں سے بھی ایک بہت بڑی تعداد اس کے حزب میں یعنی اس کی پارٹی میں شامل ہے۔ وہ اس کے ایجنٹ ہیں' بلکہ ان میں بہت سے تو ایسے بھی ہیں کہ جو شیطنت میں جنّات کے بھی کان کترتے ہیں اور ان کو بھی شیطنت کا سبق پڑھا سکتے ہیں۔

انسان دشمنی میں ابلیس کے خصوصی ایجنٹ...... یہودی

اب ایک بات سمجھئے کہ دنیا میں ایک نسل اور قوم بھی ایسی ہے جو ایک خاص وقت سے من حیث القوم ابلیس کی ایجنٹ بن گئی' اور وہ یہودی ہیں۔ ابلیس کی سرکشی کے دونوں بنیادی عنصر تکبر اور حسد اس قوم میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ یہ بات تو یہودی قوم کی فطرت میں موجود تھی کہ صرف ہم (یہودی) اصل انسان ہیں' باقی انسان جو ہیں وہ انسان نما حیوان ہیں' ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ غیر یہودی ان کے نزدیک goyems اور gentiles ہیں' وہ تو گویا حیوانات ہیں۔ اب جیسا کہ انسانوں کو حق ہے کہ حیوانوں سے خدمت لیں اور انہیں استعمال کریں' اسی طرح یہودی باقی نوعِ انسانی کو exploit کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ گھوڑے کو آپ ٹانگے میں جوتتے ہیں کہ نہیں؟ اس کے پسینے اور محنت کی کمائی ٹانگہ چلانے والا کھاتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ چونکہ اگلے روز اسے پھر جوتنا ہے لہٰذا وہ اپنی کمائی میں سے کچھ نہ کچھ تو اسے بھی کھلائے گا۔ اسی طرح بیل کو ہل میں جوتتا ہے تو کسان کچھ نہ کچھ تو اسے بھی کھانے کے لئے دے گا' کیونکہ اسے استعمال کرنا ہے۔ یہودیوں کا یہ مستقل قول ہے کہ اصل انسان ہم ہیں' باقی نوعِ انسانی ہمارے لئے حیوانوں کے درجے میں ہے' ہم جیسے چاہیں ان کو استعمال کریں' exploit کریں' انہیں دھوکہ دیں' جیسے چاہیں انہیں لوٹیں' کھسوٹیں' بدعہدی کریں' ان سے سود لیں' ان کے استحصال کا جو بھی ممکن طریقہ ہو وہ ہم استعمال کریں' یہ ہمارا حق ہے۔ ایک تو اس اعتبار سے یہود باقی تمام نوعِ انسانی کے دشمن بن گئے۔

مدینہ میں آباد یہودی باقی اہل عرب کو اُمّی کہا کرتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے پاس کتاب یعنی تورات تھی' اور کسی کے پاس کتاب موجود نہیں تھی' لہٰذا یہودی کہا کرتے کہ یہ ان پڑھ ہیں' جاہل ہیں' اُمّی ہیں' جبکہ ہم صاحب کتاب ہیں' ہم ان اُمّیوں کو جس طرح چاہیں لوٹیں' کھسوٹیں' دھوکہ دیں' جیب کاٹیں' جس طرح بھی معاملہ کریں ہمارے اوپر کوئی گرفت نہیں ہوگی ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيّٖنَ سَبِيلٌ﴾ اللہ تعالیٰ ہم

سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تم نے جھوٹ کیوں بولا تھا؟ تم نے ان کے ساتھ وعدہ خلافی کیوں کی تھی؟ تم نے ان کو دھوکہ کیوں دیا تھا؟ تم نے ان کا مال کیوں ہڑپ کر لیا تھا؟ ہم پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ تو اس اعتبار سے انسانیت کی دشمنی ان کی گھٹی میں پڑ گئی۔ اس غلط خیال کی وجہ سے ان میں گھمنڈ پیدا ہو گیا کہ ہم تو بخشے بخشوائے ہیں'

We are the chosen people of the Lord

ہمیں تو اگر اللہ جہنم میں داخل بھی کرے گا تو گنتی کے چند دن۔ ہم تو اللہ کے پسندیدہ اُس کے بیٹوں میں سے ہیں' بڑے چہیتے ہیں ﴿نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ باقی انسان تو ہمارے خدمت گار ہیں' ہم جیسے چاہیں ان سے کام لیں اور جس طرح چاہیں ان کو ہڑپ کر جائیں۔

حضرت مسیحؑ کی بعثت اور یہود کا طرزِ عمل

یہ تو ان کا پہلے سے مستقل معاملہ تھا' لیکن اس کے بعد ان کی تاریخ میں وہ دور آیا جب حضرت مسیحؑ ان میں مبعوث کیے گئے۔ یہ یہود کی تاریخ کا کلائمکس ہے۔ جب انہیں کتاب دی گئی تھی حضرت موسیٰؑ کے ذریعے وہ چودہ سو سال قبل مسیح کا واقعہ ہے۔ اس وقت سے لے کر بعثت مسیحؑ تک اللہ کا وہ فضل اُن پر ہوا کہ ان چودہ سو برس کے دوران ان پر کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا کہ ان کے ہاں کوئی نبی موجود نہ ہو۔ گویا نبوت کا تار ٹوٹا ہی نہیں۔ اس تار کے آغاز پر بھی دو نبی تھے' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) اور چودہ سو برس کے بعد آخر میں پھر دو نبی ہیں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ (علیہما السلام) اور یوں سمجھ لیجئے کہ اس تار میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ کوئی نبی موجود نہ ہو۔ اس عرصے میں اتار چڑھاؤ بہت سے آئے ہیں' لیکن اس وقت قبل مسیح کی تاریخ میرا موضوع نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں اس کا تذکرہ موجود ہے کہ بنی اسرائیل پر دو مرتبہ عذاب کے کوڑے برسے۔ پہلے اشوریوں کے ذریعے سے' جو سامی تھے' اور پھر بابلیوں یعنی عراقیوں کے ذریعے سے ان پر بہت بڑی بڑی تباہیاں آئیں اور اللہ کی طرف سے عذاب آئے۔ اس کے بعد

پھر دوسرا دور آیا اور ان کی خرمستیاں بڑھ گئیں تو پہلے یونانیوں کے ذریعے سے اور پھر رومیوں کے ذریعے سے ان پر عذاب کا کوڑا برسا۔ حضرت مسیحؑ کی بعثت سے قبل ان پر دو عروج کے دور اور دو زوال کے دور گزر چکے تھے (بنی اسرائیل کے عروج و زوال کا پورا نقشہ آپ کو میری چھوٹی سی کتاب ''تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر'' میں مل جائے گا۔ مزید برآں یہ مباحث میری تالیف ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' میں تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں)

بہر حال ان کا یہ چودہ سو سالہ دور اونچ نیچ سے ہوتا ہوا جب حضرت مسیحؑ کی بعثت پر پہنچا تو ان کی شرارت کی انتہا ہو گئی ۔ اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو رسول بنا کر بھیجا تھا ﴿وَرَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَاءِ یْلَ﴾ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان رسول کوئی نہیں ہے' سب نبی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ رسول تھے اور پھر حضرت عیسیٰؑ رسول تھے۔ درمیان میں داوٗدؑ ہوں' سلیمانؑ ہوں' یسعیاہؑ ہوں یا زکریاؑ ہوں' یہ سب نبی تھے۔ حضرت یحییٰؑ بھی نبی تھے' رسول نہیں تھے' لہٰذا وہ شہید کر دیے گئے' جبکہ رسول شہید نہیں ہو سکتا' قتل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ان کے جو چودہ سو برس ہیں اس کا نقطہ عروج ہے حضرت مسیح کی بعثت۔ حضرت مسیح کہ جن کو اللہ نے اپنی روح اور اپنا کلمہ قرار دیا' انہیں عظیم ترین معجزات عطا کیے' ان کے ساتھ یہود نے یہ سلوک روا رکھا کہ نہ صرف ان کی تکذیب کی بلکہ انہیں معاذ اللہ ولد الزنا قرار دیا۔ ان کے بارے میں کہا گیا (نقل کفر کفر نباشد) کہ یہ جادوگر ہے' یہ مرتد ہے' یہ واجب القتل ہے۔

فلسطین میں اُس وقت اصل حکومت رومیوں کی تھی' لیکن انہوں نے یہودیوں کو خود مختاری دے رکھی تھی کہ اپنے مذہبی معاملات تم خود طے کر سکتے ہو۔ چنانچہ یہودیوں کی اس وقت کی سب سے بڑی عدالت نے فیصلہ دے دیا کہ مسیحؑ کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔ وہ خود اس فیصلے پر عمل درآمد نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ رومن گورنر Pilatis Pontis کے پاس ان کی عرض داشت پہنچ گئی کہ یہ ہمارا مذہبی مجرم ہے' یہ مرتد ہے'

کافر ہے‘ جادوگر ہے‘ لہٰذا یہ واجب القتل ہے‘ اسے سولی چڑھا دو۔ اس نے پانی منگوا کر اپنے ہاتھ دھوئے کہ ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی جرم نہیں ہے‘ تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے اس کو سولی چڑھا دیتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا اور ان کی جگہ وہ شخص (جوڈاس اسکر یوٹ) سولی چڑھا دیا گیا جس نے غداری کر کے انہیں گرفتار کروایا تھا۔ اللہ نے اس کی شکل حضرت مسیحؑ جیسی بنا دی تھی اور حضرت مسیحؑ کو فرشتے اٹھا کر اوپر لے گئے‘ وہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ یہ ساری تفاصیل قرآن میں ہیں نہ حدیث میں‘ بلکہ یہ ’’انجیل برنباس‘‘ میں ہیں۔ سینٹ برنباس حوارینِ مسیح میں سے تھے‘ لیکن عیسائی ان کی بائبل کو canonical نہیں مانتے۔ ایک دَور میں عیسائیوں کے ہاں ایک سو چار اناجیل ہوا کرتی تھیں‘ جن میں سے انہوں نے قرعہ اندازی کے ذریعے چار یعنی متی‘ مرقس‘ لوقا اور یوحنا کی اناجیل کو Canonical قرار دے لیا‘ باقی ایک سو اناجیل کو وہ canonical تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک انجیل برنباس ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص جوڈاس کی شکل حضرت مسیح کی سی بنا دی اور وہ گرفتار ہو کر سولی چڑھا۔ وہ غدار تھا لہٰذا غداری کی سزا اسے اس طرح مل گئی۔ حضرت مسیحؑ ایک باغ میں جس کوٹھڑی کے اندر روپوش تھے اس کی چھت پھٹی‘ چار فرشتے آئے اور حضرت مسیحؑ کو اٹھا کر لے گئے۔ پھر چھت برابر ہو گئی۔ اس کے بعد وہ شخص پکڑا گیا اور سولی دے دیا گیا۔ بہرحال حضرت مسیحؑ کو تو اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا لیکن اس دن سے اس قوم یہود کو مغضوب علیہم قرار دے دیا گیا۔

رسولوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا ضابطہ

رسولوں کے معاملے میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ جب کوئی امت کسی رسول کی جان کے درپے ہو جاتی تھی تو اللہ کا قاعدہ یہ تھا کہ اس امت کو نسیاً منسیا کر دیا جاتا تھا۔ حضرت نوحؑ کی قوم کو اسی قاعدے کے تحت ختم کیا گیا۔ حضرت ہودؑ کی نگاہوں کے سامنے قوم عاد برباد کی گئی‘ حضرت صالحؑ کی نگاہوں کے سامنے قوم ثمود برباد ہوئی۔ اللہ کا قاعدہ یہی رہا ہے۔ سدوم اور عامورہ کی بستیاں جہاں حضرت لوطؑ بھیجے گئے‘ مدین کا علاقہ

جہاں حضرت شعیبؑ بھیجے گئے اور آلِ فرعون جن کی طرف حضرت موسیٰؑ کو بھیجا گیا' سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے۔ نبیوں کے بارے میں یہ بات نہیں ہے۔ نبی آیا' اس نے دعوت دی' جس نے مان لیا اپنے لئے اچھا کیا' نہیں مانا تو اس کی اپنی عاقبت برباد ہوگئی' دنیا میں اس کا کوئی فیصلہ نہیں چکا دیا جاتا۔ لیکن رسولوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی عدالت بن کر آتے ہیں کہ مانو گے تو بچو گے' نہیں مانو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ تو اس اعتبار سے یہودی اس کے مستحق تو ہو چکے تھے کہ انہیں ہلاک کر دیا جاتا' لیکن اللہ کی کوئی خصوصی مشیت اور حکمت ہے (اس کے بارے میں مَیں بعد میں عرض کروں گا) جس کی رو سے اللہ نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت مسیحؑ کو تو زندہ اٹھا لیا اور یہود کی رسّی ابھی مزید دراز کر دی۔ ان کو ابھی مہلت دے دی کہ تمہارا آخری عذاب استیصال ابھی مؤخر کیا جا رہا ہے۔ قرآن اس کو ''عذابِ اکبر'' کہتا ہے۔ سورۃ السجدۃ میں (جو حضور ﷺ ہر جمعہ کو فجر کی پہلی رکعت میں تلاوت فرمایا کرتے تھے) فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝﴾

''اس بڑے عذاب سے پہلے ہم اسی دنیا میں (کسی نہ کسی چھوٹے) عذاب کا مزا انہیں چکھاتے رہیں گے' شاید کہ یہ (اپنی باغیانہ روش سے) باز آ جائیں''۔ بڑا عذاب یہ ہوتا ہے کہ قوم بالکل برباد کر دی جائے' نسیاً منسیا ہو جائے ﴿كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا﴾ ''جیسے کبھی یہاں آباد تھے ہی نہیں'' اور ﴿لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ﴾ ''اب ان کے صرف مسکن نظر آتے ہیں (مکین نظر نہیں آتے)''۔ یہ عذابِ اکبر یہود پر نہیں آیا' حالانکہ وہ اس کے مستحق اسی وقت ہو گئے تھے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ کسی شخص کو پھانسی کا حکم تو ہو جائے لیکن اس پر فی الفور عمل درآمد نہ کرایا جائے' بلکہ execution کچھ وقت کے لئے مؤخر کر دی جائے۔ یہ معاملہ ہوا اس قوم کے ساتھ' ورنہ یہ آخری بربادی' تباہی اور عذاب استیصال یعنی کاٹ دینے والے عذاب کے مستحق ہو چکے تھے اور وہ ان پر اسی وقت آ سکتا تھا۔ لیکن اللہ نے ان کی مہلت دراز کی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور موقع دیا۔ حضرت مسیحؑ کے چھ سو برس بعد

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس قوم پر اللہ کا بہت بڑا فضل تھا۔ اب پھر انہیں ایک موقع دیا گیا اور خبردار کیا گیا کہ دیکھو اب بھی ہم تمہیں موقع دے رہے ہیں ﴿عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا﴾ ''تمہارا ربّ اب بھی تم پر رحم فرمانے کو تیار ہے' لیکن اگر تم نے پھر اپنی سابق روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی پھر اپنی سزا کا اعادہ کریں گے''۔ ﴿اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ﴾ اس قرآن کے سائے میں آ جاؤ' یہ ہدایت میں آنے کا شاہ درہ ہے' اس میں داخل ہو جاؤ' محمد ﷺ کی تصدیق کرو' دامنِ محمدیؐ کے سائے میں آ جاؤ' اب بھی ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے۔ لیکن اس قوم نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دشمنی پر کمر کس لی۔ اور اب یوں سمجھئے کہ اس تاریخ سے لے کر آج تک یہ ابلیس اور یہود کا گٹھ جوڑ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اب ابلیس کا بھی اصل دشمن کون ہے یا ٹارگٹ کون ہے؟ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد جو حضور ﷺ پر ایمان نہیں لائے وہ تو کافر ہیں' جہنمی ہیں' لہٰذا ان پر کوئی مزید محنت صرف کرنے کی ابلیس کو ضرورت ہی نہیں۔ اس کا اصل ٹارگٹ اُمتِ محمدؐ ہے۔ گویا اس کے لئے ساری بنی نوع آدم کی دشمنی آ کر مرکوز ہو گئی ہے امتِ محمد ﷺ پر۔ اسی طرح یہود کا معاملہ ہے کہ اگرچہ وہ پوری نوعِ انسانی کے دشمن ہیں' انہیں حیوان سمجھتے ہیں' ان کے جان و مال اپنے لئے مباح سمجھتے ہیں' لیکن اب ان کی دشمنی کا سب سے بڑا مرکز بھی اُمتِ محمدؐ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہی تکبر اور حسد کی بیماریاں انہیں بھی لاحق ہیں۔ انہیں تکبر یہ ہو گیا تھا کہ نبوّت تو دو ہزار سال سے ہماری جاگیر ہے' بنی اسرائیل کے اندر سینکڑوں نبی آئے' تین تین کتابیں ہمیں اللہ نے عطا کیں۔ یہ کہاں سے آ گیا محمد؟ (صلی اللہ علیہ وسلم۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ) یہ امیین میں سے' یہ gentlies میں سے' یہ goyems میں سے' یہ حقیر ان پڑھ لوگوں میں سے ایک رسول مبعوث ہو گیا؟ کہاں ہم کہاں یہ! ہم نہیں تسلیم کریں گے۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے: ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ﴾ کہ ان کے علماء آنحضور ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے کہ یہ آخری نبی ہیں۔ لیکن تکبر اور حسد

کی آگ میں جل اٹھے۔ اب ان کی دشمنی بھی کس سے ہے! محمد ﷺ اور اُمت محمدؐ سے۔ چنانچہ اب یہ گٹھ جوڑ ہے ابلیس اور یہود کے مابین۔

یہود کی دو ہزار سالہ تاریخ کا اجمالی جائزہ

اب مَیں انسانوں میں سے ابلیس لعین کے سب سے بڑے آلۂ کار' بلکہ شراکت دار' یہود ملعون' جن کا انسان دشمنی میں سب سے بڑا رول ہے' ان کی حضرت مسیحؑ سے اب تک کی دو ہزار سالہ تاریخ کا نقشہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کے چودہ سو سال کے تو مَیں نے آپ کو چار پوائنٹس بتائے' یعنی دو مرتبہ عروج اور دو مرتبہ زوال۔ پہلے دورِ زوال میں اشوریوں کے ہاتھوں پٹائی اور پھر بابلیوں کے ہاتھوں پٹائی' جبکہ دوسرے دورِ زوال میں پہلے یونانیوں اور پھر رومیوں کے ہاتھوں مرمت۔ اب حضرت مسیح علیہ السلام کو بیس صدیاں پوری ہو گئی ہیں اور اکیسویں صدی شروع ہو گئی ہے۔ پہلے ایک بات نوٹ کیجئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سن ایک قبل مسیح ہے۔ یہ نکتہ آپ نے کبھی سنا ہے یا نہیں؟ پچھلے سال جب ملینیم (millanium) کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو میں نے بیان کر دیا تھا کہ اس حساب کے اندر انہوں نے ایک عجیب غلطی کی ہے۔ حضرت مسیحؑ کی پیدائش ۲۵ دسمبر کو ہوئی۔ اس کے بعد جنوری آئی تو پہلا عیسوی سال شروع ہو گیا۔ اگر جنوری سے پہلا سال شروع ہوا تو یہ جو چھ دن ہیں وہ پچھلے سال میں تھے۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ

Jesus Christ was born one year before Christ.

تو ایک قبل مسیح میں حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہوئی۔ یہ آخری اسرائیلی نبی اور رسول تھے۔ یہودی علماء نے آپؑ کی جس طرح مخالفت کی اور دشمنی پر اتر آئے وہ مَیں بیان کر چکا ہوں۔

۳۳ء میں جبکہ حضرت مسیحؑ کی عمر ۳۳ برس تھی' اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا' لیکن یہودیوں نے اپنے خیال کے مطابق انہیں سولی پر چڑھوا دیا اور ان کی موت واقع ہو گئی۔ اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کا آپس میں اختلاف ہے۔

یہودی کہتے ہیں کہ وہ سولی پر چڑھ گیا' ختم ہو گیا' مر گیا۔ جبکہ عیسائی کہتے ہیں کہ نہیں' مسیح کا صلیب پر انتقال ہوا' لیکن پھر وہ زندہ ہو گئے۔ ان کی لاش ایک غار میں رکھ دی گئی تھی' وہیں ان کا بعث بعد الموت ہو گیا اور پھر انہیں اللہ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ تو ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان یہ چیز مشترک ہے کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے۔ فرق یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں سولی دیئے گئے' سولی پر مرے' پھر زندہ ہوئے اور آسمان پر اٹھائے گئے' لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ ''نہ وہ انہیں صلیب دے سکے اور نہ انہیں قتل کر سکے'' ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ ''بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا''۔ پھر ہمارا اور عیسائیوں کا ایک اور اتفاق حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی کے بارے میں ہے۔ یہ عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے اور ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ دوبارہ آئیں گے۔

بہرحال جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اُس وقت یہودی عذابِ استیصال یعنی عذابِ اکبر کے مستحق ہو چکے تھے' لیکن اللہ نے ان کی مدت دراز کی ہے۔ تاہم اُن پر دُنیوی عذاب کا ایک کوڑا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی وقت برسا' اور حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے ۳۷ برس بعد ۷۰ء میں یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کی۔ اس کی پاداش میں رومی جنرل ٹائٹس نے پھر جو حملہ کیا تو ایک لاکھ تینتیس ہزار (133000) یہودی ایک دن میں یروشلم میں تہہ تیغ کئے گئے اور ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ وہ ہیکل آج تک گرا پڑا ہے۔ زندہ بچ جانے والے یہودیوں سے کہہ دیا گیا کہ اس ارضِ فلسطین سے نکل جاؤ' تم اب یہاں نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا جس کا جہاں سینگ سمایا چلا گیا۔ کچھ یورپ میں چلے گئے' کچھ افریقہ میں جا بسے' کچھ ایشیا میں آ گئے۔ ان کے تین قبیلے بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ وہاں سے آ کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔ اس وقت یہ پوری دنیا میں تربتر ہو گئے۔ اس دور کو وہ اپنا ''دورِ انتشار'' (Diaspora) کہتے ہیں۔ اس لفظ میں یہ بات مضمر ہے کہ ہماری اصل سرزمین فلسطین ہے۔ حضرت ابراہیمؑ' حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا مسکن فلسطین ہی تھا۔ لہٰذا یہود کے نزدیک

فلسطین ان کی جدی پشتی جاگیر ہے۔ یہود کا دورِ انتشار (Diaspora) ۱۹۱۷ء تک جاری رہا۔ اس دورِ انتشار کے چند حصے ہیں جن کو میں چاہتا ہوں کہ آپ علیحدہ علیحدہ سمجھ لیں۔

سلطنت روما میں یہودیوں کی زبوں حالی

دورِ انتشار کا پہلا حصہ تقریباً ۳۰۰ برس پر محیط ہے جبکہ دنیا کے بہت بڑے حصے پر رومی حکمران مسلط تھے۔ وہ یہودیوں کے بھی دشمن تھے اور عیسائیوں کے بھی۔ اگرچہ عیسائی اور یہودی ایک دوسرے کے بھی دشمن تھے' لیکن رومی سمجھتے تھے کہ یہ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ رومیوں کے نزدیک عیسائی بھی یہودیوں ہی کا ایک فرقہ تھے' یہ کوئی علیحدہ مذہب نہیں تھا۔ لہٰذا رومی ان دونوں کو ستاتے تھے اور تشدد کا نشانہ بناتے تھے' جبکہ یہ آپس میں بھی لڑتے تھے۔ یہودی عیسائیوں کو مارتے تھے اور عیسائی یہودیوں کو مارتے تھے۔ یہ ہے ان کی تین سو برس کی تاریخ۔

۳۰۰ء میں ایک معجزہ ہو گیا کہ سلطنت روما کے شہنشاہ قسطنطین اعظم نے عیسائیت قبول کر لی۔ اب تو معاملہ بالکل تلپٹ ہو گیا۔ پوری سلطنت عیسائی ہو گئی۔ چنانچہ اب عیسائیوں کے عیش ہو گئے اور یہودیوں کو مار پڑنی شروع ہوئی۔ آپ خود سوچئے کہ عیسائی جنہیں خدا بنائے بیٹھے ہیں' خدا کا بیٹا قرار دے رہے ہیں' ان کے ''قاتل'' یہودی بدمعاش تھے۔ لہٰذا یورپ میں ان کی وہ پٹائی شروع ہوئی کہ رہے نام اللہ کا۔ پوری سلطنت روما میں انہیں ذلیل کیا گیا' شہروں میں ان کی آمد و رفت پر پابندی لگا دی گئی اور یہودی کا نام گالی بن گیا۔ جیسے آج بھی ہمارے ہاں یہودی کا لفظ گالی ہے' جیسے خنزیر کا لفظ ہے' حالانکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے' لیکن آپ کو معلوم ہے کہ کوئی شخص یہ لفظ زبان پر لانا پسند نہیں کرتا۔ اس دور میں عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین انتہائی شدید دشمنی پیدا ہو گئی' جیسے قرآن کہتا ہے: ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ﴾ ''ہم نے ان کے مابین عداوت اور دشمنی پیدا کر دی''۔ جب یہ پوری سلطنت عیسائی ہو گئی تو یہودیوں کا قافیہ تنگ ہو گیا۔

آنحضورؐ کی بعثت اور یہود کا معاندانہ رویہ

یہودیوں کا دورِ انتشار شروع ہونے کے پورے ۵۰۰ برس بعد ۵۷۱ء میں محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی اور ۶۱۰ء میں آپؐ پر وحی کا آغاز ہوا۔ لیکن حضور ﷺ کے ساتھ ان کا معاملہ کیا رہا؟ اوّل تو جبکہ حضور ﷺ ابھی مکّہ میں ہی تھے تو یہودیوں نے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ وہ حضور ﷺ کے خلاف قریشِ مکّہ کو سکھاتے پڑھاتے تھے کہ ان سے یہ پوچھو! انہیں اس طرح تنگ کرو! ان کا یہ امتحان لو! سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں ان کے امتحانی سوالات مذکور ہیں۔ مثلاً ذوالقرنین کون تھا؟ اصحابِ کہف کون تھے؟ اور یہ کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ اگر آپ رسول ہونے کے دعوے دار ہیں تو بتایئے! اس طرح یہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے ساری ریشہ دوانیاں کر رہے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تو حضور ﷺ نے انتہائی مدبرانہ انداز سے مدینہ میں آباد یہودیوں سے مشترکہ دفاع کا معاہدہ کر لیا۔ یعنی اگر مکہ والے ہم پر حملہ کریں گے تو ہم مل جل کر ایک قوم کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کریں گے۔ یہ ''میثاقِ مدینہ'' کہلاتا ہے' جس کو آج کل بہت غلط معنی پہنائے جا رہے ہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ ہر مرتبہ یہ خیانت کے مرتکب ہوئے۔ انہوں نے جو عہد کئے تھے ان کی خلاف ورزی کی اور اندر ہی اندر سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی پالیسی اپنائی۔ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۱۳ میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ''اے نبیؐ! آپ کے علم میں ان کی طرف سے ہمیشہ خیانتیں اور بددیانتیاں ہی آتی رہیں گی''۔ ان کے دلوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف دشمنی کے جذبات عروج پر تھے اور وہ بار بار مسلسل جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے۔ قریش کو دعوت دیتے تھے کہ آؤ! تم باہر سے حملہ آور ہو جاؤ' ہم اندر سے بغاوت کریں گے اور اس طرح ہم ختم کریں محمد کو اور اہل ایمان کو (صلی اللہ علیہ وسلم ورضوان اللہ علیہم اجمعین)۔ لیکن پھر جب وہ جنگ کے لئے آتے تھے تو یہ دبک جاتے تھے' ان میں ہمت نہیں تھی' یہ میدان

کے مرد نہیں تھے۔ سورۃ الحشر میں ان کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ان کے اندر کھلے میدان میں مقابلے کی صلاحیت ہی نہیں ہے ﴿لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ﴾ ''یہ کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمہارا مقابلہ نہ کریں گے' لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر''۔ دیہات میں لڑائی ہوتی ہے تو مرد گلیوں میں لڑتے ہیں اور عورتیں اوپر سے پتھر پھینکتی ہیں۔ یہی کام وہ کر سکتے تھے' مگر کھلے میدان میں نہیں آسکتے تھے۔ بہرحال قرآن مجید میں ہے کہ وہ گاہے بگاہے جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتے رہتے۔ سورۃ المائدۃ آیت ۶۴ میں ہے: ﴿کُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ﴾ ''جب بھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے''۔ اکثر و بیشتر مواقع پر تو جب یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے اللہ اسے بجھا دیتا تھا۔ لیکن بہرحال اس کے باوجود جنگیں ہوئیں۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے پس منظر میں اصل شرارت انہی کی تھی۔ اور ان جنگوں کے نتیجے میں حضور ﷺ نے پھر ایک ایک کر کے ان تینوں قبیلوں کو سزا دی۔ غزوۂ بدر (۲ ھ) کے فوراً بعد بنوقینقاع مدینے سے نکالے گئے' غزوۂ اُحد (۳ ھ) کے فوراً بعد بنونضیر نکالے گئے اور غزوۂ احزاب (۵ ھ) کے بعد بنوقریظہ نکال دیئے گئے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں یہودیوں کا جو رویہ تھا اس کے بارے میں سورۃ المائدۃ آیت ۸۲ میں فرمایا گیا: ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا﴾ ''تم اہل ایمان کی عداوت میں شدید ترین یہودیوں کو اور مشرکین کو پاؤ گے''۔ مشرکین بھی بعد میں ہیں' یہود پہلے نمبر پر ہیں۔

حضرت عمرؓ کے ہاتھوں بیت المقدس کی فتح

آنحضور ﷺ کے بعد کیا ہوا یہ نوٹ کیجئے۔ یہ ان کی تاریخ کا دوسرا دَور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا گیا۔ شہر کی فصیل بڑی اونچی تھی اور اہل شہر سامانِ خورد و نوش وغیرہ کے معاملے میں خودکفیل تھے۔ حملے کا راستہ بھی کوئی نہ تھا۔ محاصرہ طول کھینچ رہا تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ظہور یوں ہوا

کہ عیسائیوں کے کچھ علماء فصیل پر آئے اور کہا دیکھو مسلمانو! تم قیامت تک بھی ہمارا محاصرہ کر کے یہاں پڑے رہو گے تب بھی یہ شہر فتح نہیں ہوگا۔ ہاں' یہ شہر ایک درویش بادشاہ کے ہاتھوں فتح ہونا ہے جو ہمیں تمہارے اندر نظر نہیں آ رہا۔ امیر لشکر امینُ هٰذِهِ الْأُمَّة ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اُدھر گیا کہ وہ درویش بادشاہ تو مدینے میں بیٹھا ہوا ہے' یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ (اب ایک اور عمر بھی ہے جو قندھار میں بیٹھا ہے۔ سادگی کی حد تک نقشہ وہی ہے۔ اسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ عمر اوّل عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ عمر ثانی تھے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ اب اللہ کے فضل سے یہ ملا محمد عمر مجاہد ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یاد تازہ کر دی ہے۔ ایدہ اللّٰهُ بِنُصْرَتِهٖ۔ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے اور دشمنوں کو ان کے مقابلے میں نیست و نابود کرے۔) حضرت ابوعبیدہؓ نے امیر المؤمنین کی خدمت میں درخواست بھیج دی کہ آپ تشریف لائیے' یہ شہر فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمر ایک خادم اور ایک اونٹ کے ہمراہ مدینہ منورہ سے چل پڑے۔ یہ ہے وہ تاریخی سفر کہ ۷۰۰ میل کی طویل مسافت اس شان سے طے ہوتی ہے کہ ایک منزل امیر المؤمنین اونٹ پر بیٹھے ہیں اور خادم آگے چل رہا ہے اور اگلی منزل پر خادم اوپر بیٹھا ہے اور امیر المؤمنین آگے چل رہے ہیں۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو باری خادم کی تھی۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ دیئے کہ حضور خدا کے لئے آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں۔ لوگ کیا کہیں گے کہ تمہیں شرم نہیں آتی امیر المؤمنین آگے نکیل پکڑ کر پیدل چل رہے ہیں اور تم اوپر براجمان ہو! حضرت عمرؓ نے فرمایا: الدَّور دَورک ''باری تمہاری ہے''۔ اس حال میں بیت المقدس پہنچے ہیں۔ ابوعبیدہ بن الجراح استقبال کے لئے آئے ہیں تو دیکھا ہے کہ امیر المؤمنین اسی حال میں اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ کہیں کیچڑ وغیرہ سے جوتے خراب ہو گئے تھے تو وہ بھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ کپڑے تو تھے ہی پھٹے ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ دیکھئے یہ بڑا متمدن اور مہذب ملک ہے۔ آپ ذرا اپنا حلیہ درست فرما لیں' تب جا کر یہ آپ کو شہر کا قبضہ پیش کریں گے۔ آپؓ نے

فرمایا: نَحنُ قَومٌ اَعزَّنَا اللّٰہُ بِالاِسلَامِ کہ ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ نے عزت ہی اسلام کے ذریعے سے دی ہے۔ کپڑوں کے ذریعے سے نہیں‘ دولت کے ذریعے سے نہیں۔ عیسائی علماء نے اوپر سے کھڑے ہو کر نشانیاں دیکھیں اور اپنی کتابیں کھول کر کہنے لگے کہ ہاں یہی وہ درویش بادشاہ ہے اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا اور بیت المقدس فتح ہو گیا۔ لیکن اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نرمی یہ کی کہ اسے یہودیوں کے لئے بھی کھلا شہر قرار دے دیا۔ یہ ان پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احسانِ عظیم تھا۔ اس سے پہلے یہودی وہاں داخل ہی نہیں ہو سکتے تھے اور اپنے مقامات مقدسہ کی زیارت تک نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یوں سمجھئے کہ ۵۵۰ برس بعد اِن کے لئے راستہ کھولا کہ تم یہاں آ سکتے ہو اور زیارت کر سکتے ہو۔ لیکن عیسائیوں نے معاہدے کے اندر یہ لکھوایا کہ آپ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہیں دیں گے‘ ٹھیک ہے یہ آئیں‘ زیارت کریں اور واپس چلے جائیں۔ خلافت راشدہ کے بعد بنو اُمیہ اور پھر بنو عباس نے بھی حضرت عمرؓ کے اس معاہدے کی مکمل پاسداری کی۔ پھر جب خلافت ترکوں کے پاس آئی تو ترک خلفاء نے بھی اس معاہدے کی پوری پابندی کی کہ یہودی فلسطین میں آ سکتے ہیں‘ لیکن صرف زائرین کی حیثیت سے‘ وہاں آباد نہیں ہو سکتے۔

حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت اور یہود کی ریشہ دوانیاں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا۔ یہ ہے وہ وقت کہ اب یہود نے اُمت مسلمہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپا۔ ایک یہودی عبد اللہ بن سبا اسلام کا لبادہ اوڑھ کر آیا اور معاشرے کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں جو بہت پرانی کشاکش تھی اس کے کچھ نہ کچھ جراثیم باقی ہیں‘ اگر ان کو ذرا بھڑکا دیا جائے تو مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گا۔ چنانچہ اس نے اس طرح کی باتیں اٹھانی شروع کیں کہ یہ عثمان کون ہے! یہ تو بنو اُمیہ میں سے ہے‘ جبکہ خلافت کا حق تو بنو ہاشم کا ہے‘ خلافت ان کے پاس ہونی چاہئے‘ محمد ﷺ کے رشتہ دار تو وہ

ہیں۔عوام الناس کے اندر ایسی باتیں پھیلنی شروع ہو گئیں۔ پھر ایک بڑی سازش کے انداز میں حضرت عثمانؓ اور ان کے عاملین (گورنرز) کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا۔اس کام میں یہ لوگ ایسی ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے کہ جہاں جاتے وہاں کے حاکم کے خلاف کچھ نہ کہتے' بلکہ دوسرے علاقوں کی باتیں کرتے۔کوفہ میں کوفہ کے حاکم کے خلاف کچھ نہیں کہنا' لیکن پروپیگنڈا یہ کرنا کہ جی مصر میں یہ ہو رہا ہے' شام میں یہ ہو رہا ہے' عثمان یہ کر رہا ہے' یہ ظلم ہو رہا ہے' یہ لوٹ مار ہو رہی ہے' یہ خیانتیں ہو رہی ہیں۔ اس زمانے میں آج کی طرح کے وسائل و ذرائع تو تھے نہیں کہ دوسرے علاقوں سے تصدیق کر لی جاتی۔آج ہمارا حال یہ ہے کہ کراچی جیسے بڑے شہر میں کوئی افواہ پھیل جائے تو وہ پھیلتی چلی جاتی ہے' کسی کو پتہ نہیں چل سکتا کہ اس میں کیا صداقت ہے اور کیا جھوٹ ہے۔دوسرے یہ کہ بُری بات جو ہے وہ فطرتِ انسانی کی کمزوری ہے' انسان اسے فوراً قبول کرتا ہے' جبکہ کسی کے بارے میں اچھی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ فتنہ انہوں نے اٹھایا۔اسی دوران حضرت علیؓ کی الوہیت کا فتنہ اٹھایا۔حضرت عثمانؓ کے خلاف الفتنۃ الکبریٰ برپا کر دیا جس میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔اس کے بعد وہ باہمی خانہ جنگی ہوئی کہ پانچ برس تک مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے رہے۔اس فتنے نے امت کو وہ زخم لگایا ہے جس سے آج تک خون رس رہا ہے۔ یہ شیعانِ عثمان اور شیعانِ علی تھے جو بعد میں پھر سنی اور شیعہ ہو گئے اور آج تک ہیں۔فتنہ کس نے جگایا؟ ایک عبداللہ بن سباء یہودی اور اس کے کارندوں نے جو شیطان کے ایجنٹ تھے۔انسانوں میں سے بھی شیطان کے جو حوارین تھے اور شیطانوں کے اندر بھی انہوں نے اس آگ کو خوب بھڑکایا۔

مسلم ہسپانیہ میں یہود کا کردار

اگلا دور آیا۔خلافت راشدہ ختم ہوئی' بنو اُمیہ کا دور بھی کافی گزر گیا۔طارق بن زیاد ۷۱۲ء میں سپین پر حملہ کرتے ہیں۔سپین اُس وقت عیسائیت کا بہت بڑا گڑھ تھا اور وہاں بڑے کٹر عیسائی آباد تھے' لہٰذا یہودیوں کی وہاں بہت پٹائی ہوتی تھی' کیونکہ ان کی

پرانی دشمنی تو چلی آ رہی تھی۔ اس حوالے سے یہودیوں نے اس وقت چالا کی یہ برتی کہ سپین پر حملہ میں طارق بن زیاد کی مدد کی اور انہیں راستے وغیرہ بتائے۔ اس پر طارق بن زیاد نے انہیں اپنا محسن سمجھا۔ ہسپانیہ فتح ہوگیا تو یہودی چونکہ محسنین کی فہرست میں آ گئے تھے لہٰذا مسلمانوں نے ان کی خوب پشت پناہی کی۔ ان کے بڑے بڑے علماء اور دانش ور اُسی دَور کے اندر پیدا ہوئے۔ بن گوریان جو اسرائیل کا ایک وزیر اعظم تھا' اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''Muslim Spain was the golden era of our diaspora''

یعنی ان کا دورِ انتشار جو ۷۰ء سے شروع ہوا تھا اور ۱۹۱۷ء تک جاری رہا اس میں سے ان کا سنہری دَور مسلم ہسپانیہ کا دَور تھا جب انہوں نے وہاں بیٹھ کر عیش کئے ہیں۔ لیکن وہاں پر بیٹھ کر انہوں نے اور جو کچھ کیا یہ ایک الگ داستان ہے' جس کے بہت سے گوشے ہیں۔ لیکن میں جس خطِ مستقیم پر چل رہا ہوں اس کے حوالے سے ایک بات سمجھ لیجئے کہ وہاں بیٹھ کر انہوں نے عیسائیت کی پیٹھ میں چھرا گھونپا کہ پروٹسٹنٹ مذہب پیدا کر کے عیسائیت کو تقسیم کر دیا۔ جیسے عبداللہ بن سباء نے مسلمانوں میں شیعہ سنی کی تقسیم کی اسی طرح یہودیوں نے عیسائیوں میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تقسیم کر دی۔ ہسپانیہ کے بڑے بڑے شہروں غرناطہ' قرطبہ' طلیطلہ وغیرہ میں عظیم یونیورسٹیاں قائم تھیں' جہاں علم حاصل کرنے کے لئے نوجوان فرانس' جرمنی اور اٹلی سے آتے تھے۔ سنٹرل یورپ کے یہ تین ہی ملک ہیں جو قریب ترین پڑتے ہیں۔

یہاں پر اسلام جو روشنی پھیلا رہا تھا وہ یہاں کی یونیورسٹیوں سے سنٹرل یورپ میں پھیل رہی تھی اور ان کی جہالت کے پردے چھٹ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہاں پر موجود یہودی یہاں آنے والے نوجوانوں کے اندر عیسائیت کے خلاف بغاوت کے جراثیم پھیلا رہے تھے۔ اُس وقت دنیا میں جو بھی عیسائیت تھی وہ دراصل پوپ کا راج تھا۔ اس میں ایک طرف بادشاہ تھے' لیکن بادشاہوں کی حیثیت وہاں پر یوں سمجھ لیجئے کٹھ پتلیوں کی تھی۔ اصل حکومت پوپ کے ہاتھ میں تھی اور پوپ کو انہوں

نے وہ درجہ دے رکھا تھا جس کے لئے قرآن حکیم میں الفاظ آئے ہیں: ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبۃ:۳۱) ''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا ربّ بنا لیا ہے''۔ سینٹ پال نے شریعت موسوی ساقط کر دی تھی، تو اب شریعت تھی ہی نہیں، پوپ کو اختیار حاصل تھا کہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے دے اور جسے چاہے حرام قرار دے دے۔ لیکن انہوں نے کہا یہ پوپ کس بلا کا نام ہے؟ یہ بھی تو ہماری طرح کا ایک انسان ہے۔ اصل حیثیت تو کتاب کی ہونی چاہئے۔ ہمارے پاس آسمانی کتاب موجود ہے اور کتاب ہر شخص پڑھ سکتا ہے، پوپ اور پادریوں کے لئے کوئی خصوصی حقوق نہیں اترے کہ صرف وہی کتاب پڑھ سکتے ہیں، بلکہ اسے ہم بھی پڑھ سکتے ہیں، ہم بھی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ باتیں تھیں جن کو یہودیوں نے بڑھا چڑھا کر بیان کر کے پوپ کا اقتدار ختم کرا دیا اور توجہ بائبل کی طرف مرکوز کر دی۔ اب بائبل میں بڑا حصّہ تو عہد نامہ قدیم (Old Testament) پر مشتمل ہے۔ نتیجہ کیا ہوا کہ پروٹسٹنٹس کے نزدیک یہود کی عظمت مسلّم ہو گئی کہ اصل قوم (بنی اسرائیل) تو یہ ہے، تورات موسیٰ کو دی گئی تھی اور موسیٰ کے اُمتی یہ ہیں، ابراہیم کی نسل یہ ہیں۔ لہٰذا عیسائیوں کے دلوں میں ان کے خلاف جو دشمنی اور عداوت تھی کہ ہمارے خدا کو سولی چڑھانے والے یہ بدمعاش ہیں، اس پروٹسٹنٹ مذہب کے نتیجے میں اس کا ازالہ ہوا۔

عیسائیت خونخوار ترین مذہب کیسے بنا؟

اس کے علاوہ اس کا ایک نتیجہ وہ نکلا ہے جسے برٹرینڈ رسل نے بیان کیا ہے:

"The Christians, retaining the Judaic belief in a special revelation, added to it the Roman desire for worldwide domanion and the Greek taste for metaphysical subletics. The combination produced the most fiercely persecuting religion that the world has yet known."

(In praise of Idleness, p 108)

واضح رہے کہ جو "Old Testament" ان کے ہاتھ آئی وہ تو محرف تھی۔ اصل تورات تو ۵۸۷ قبل مسیح میں گم ہوگئی تھی جب پہلی مرتبہ ہیکل سلیمانی تباہ ہوا۔ اس کے کوئی ۱۵۰ سال بعد انہوں نے یادداشتوں سے مرتب کر کے تورات لکھی۔ چنانچہ اب اس میں ان کے اپنے خیالات' اپنے امانی (wishful thinkings) اور اپنی توجیہات شامل ہوگئیں۔

اہل کتاب نے اپنے سیاہ کارناموں' مظالم' قتل عام اور حرام کاریوں کو جواز بخشنے کے لئے تورات میں مَن چاہی تبدیلیاں کیں اور پیغمبروں پر ظلم وستم' دہشت ناکی اور بدترین حرام کاریوں کے الزامات لگائے۔ ذرا چند ایک حوالے ملاحظہ کیجئے کہ اس کتاب کے اندر مظالم کی کس طرح تعلیم دی گئی ہے۔

۱) "اس لئے ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مَرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو بھی قتل کر ڈالو! لیکن ان لڑکیوں کو جو مَرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لئے زندہ رکھو"۔ (گنتی ۳۱: ۱۷' ۱۸)

یہ اللہ کی کسی کتاب کا جملہ ہوسکتا ہے؟ کسی الہامی کتاب میں یہ بات کہی جاسکتی ہے؟

۲) "پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا' جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے ان کو نیست کر دے۔ مَرد' عورتیں' بچے' بوڑھے سب"۔ (استثناء ۲۰: ۱۶۔ ۱۸)

۳) "اور داؤد نے اس سرزمین کو تباہ کر ڈالا اور عورت مَرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا"۔ (سموئیل ۲۷: ۹)

۴) "ان سب آباد شہروں کو مع عورتوں اور بچوں کے بالکل نابود کر ڈالا"۔ (استثنا ۳: ۶)

برٹرینڈ رسل کہتا ہے کہ عیسائیت میں آ کر یہ تین چیزیں شامل ہوگئیں:

۱) ظلم و بربریت کی تعلیم جو مذہب کے نام پر دی گئی۔ یہ "کتابِ مقدس" کی تعلیم ہے۔

۲) رومیوں کے اندر پوری دنیا پر غالب آنے کی جو ایک تمنا تھی وہ عیسائیت کے اندر

منتقل ہوگئی' اس لئے کہ پوری رومی سلطنت عیسائی ہوگئی اور اسے وراثت کے اندر یہ چیز مل گئی۔

۳) انہوں نے یونانیوں کے توہمات کو بھی اپنے ہاں مختلف شکلوں کے اندر جمع کر لیا۔

ان تین چیزوں کے اشتراک کے نتیجے میں معلوم تاریخ انسانی کے اندر جو بدترین خون خوارترین مذہب ہوسکتا ہے وہ شکل عیسائیت نے اختیار کی۔ اور اس کا مظہر اتم کیا تھا؟ نوٹ کیجئے! صلیبی جنگیں!! ایک بات ٹائم ٹیبل کے اعتبار سے نوٹ کر لیجئے گا کہ جب ان کا پہلا ملینیم ختم ہوا اور دوسرا شروع ہوا تو گیارھویں صدی میں پہلی صلیبی جنگیں ہوئیں' جن میں لاکھوں مسلمان قتل ہوئے۔ صرف یروشلم کے اندر ان صلیبیوں نے مسلمانوں کا اتنا زیادہ خون بہایا کہ خود ان کے تاریخ دان لکھتے ہیں کہ صلیبی جب اپنے گھوڑوں پر شہر کی گلیوں میں چل رہے تھے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک خون کی ندی بہہ رہی تھی' جہاں سے گزرے مسلمانوں کو ختم کرتے چلے گئے' آبادیوں کی آبادیاں ختم ہوگئیں۔ اگرچہ اس موقع پر گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسا اور بہت سے یہودی بھی مارے گئے' لیکن صلیبی جنگوں کا اصل ہدف مسلمان تھے۔ یہ صلیبی فرانس اور جرمنی سے تین ہزار میل کا سفر طے کر کے آئے تھے۔ سوچئے تو سہی۔ اربن ثانی پوپ نے پورے یورپ کے اندر آگ لگا دی تھی کہ شرم سے ڈوب مرو' تمہارے مقدس علاقے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں جو کافر اور ملحد ہیں' جہاں مسیح پیدا ہوا' جہاں مسیح کو سولی دی گئی وہ سرزمین ان کے ہاتھ میں ہے! چنانچہ یہ لوگ تین ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے وہاں آئے۔ انہوں نے جو تباہی مچائی تاریخ انسانی میں ایسی بربریت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ سب ان کے اپنے مؤرخین لکھتے ہیں اور ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے یہ لکھتے ہوئے شرم کے مارے ان کی گردنیں جھکی جاتی ہوں۔

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں

اب آگے چلئے! یہ جو پوپ کے خلاف بغاوت ہوئی اس کو تاریخی اعتبار سے نوٹ کیجئے! سب سے پہلے بغاوت کرنے والا ملک انگلستان تھا۔ اس نے ''چرچ آف

انگلینڈ'' کے نام سے اپنا علیحدہ چرچ بنا لیا اور پوپ سے رشتہ منقطع کر لیا۔ انگلستان دنیا میں سب سے پہلی پروٹسٹنٹ مملکت تھی۔ اسی سے رشتہ جوڑیئے WASP کا۔ یعنی White Anglo Saxon Protestants۔ اس میں اوّلیت کا شرف برطانیہ کو حاصل ہے۔ یہاں پر یہودیوں نے بہت بڑا کارنامہ یہ کیا کہ یورپ پر سے پوپ کی گرفت کمزور ہوئی اور پروٹسٹنٹ مذہب کا فروغ ہوا تو انہوں نے سود کی اجازت حاصل کر لی۔ جب تک پوپ کی حکومت تھی عیسائیت میں سود حرام تھا۔ لیکن انہوں نے پروٹسٹنٹس کے ذریعے سود کی اجازت حاصل کر لی اور اس کے بعد House of Rothchilds اور House of Goldsmith جیسے بڑے بڑے بینک بنا کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے ذریعے یورپ میں مختلف ملکوں کے درمیان جنگیں کروائیں۔ جنگ کی آگ بھڑکا دینا تو اُن کا پرانا مشغلہ تھا۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد فرانس کے بادشاہ کو بھی اسلحہ کے لئے قرض چاہئے اور انگلستان کے بادشاہ کو بھی۔ ان کا ایک نمائندہ یہاں بیٹھا ہے اور ایک نمائندہ وہاں بیٹھا ہے اور جنگ کے دونوں فریقوں کو منہ مانگی شرح سود پر قرض دے رہے ہیں۔ اس طرح یہودیوں نے یورپ کے سارے مالی وسائل کھینچ لئے اور ان کی دولت پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سو سال کے اندر فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں آ گئی۔ اس سودی نظام کے ذریعے سے یورپی ممالک کی دولت پر اُن کا قبضہ ہو گیا۔
علامہ اقبال ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک وہاں رہے تھے اور ان کی نگاہِ تیز یہ سب کچھ دیکھ چکی تھی ؎

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں!

انہوں نے ادراک کر لیا کہ ''فرنگ کی رگِ جاں پنجہ یہود میں ہے!'' اس وقت ابھی ہٹلر کا تو وجود بھی نہیں تھا۔ بعد میں ہٹلر کو محسوس ہو گیا کہ واقعتاً ہمارا اصل دشمن یہودی ہے جو یہاں آ کر بیٹھا ہوا ہے اور ہمارا خون چوس رہا ہے۔ آخر یونہی تو اس کا دماغ خراب

نہیں ہو گیا تھا کہ یہود کا قتل عام (Holocaust) شروع کر دیا۔ اس نے انہیں پہچان لیا تھا۔ اس لئے کہ وہ WASP (وائٹ اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹس) میں سے نہیں تھا۔ یہود کا اصل جادو جو چلا ہے وہ WASP پر چلا ہے۔ اور برطانیہ ان کا سب سے بڑا پشت پناہ' مددگار اور حامی بن گیا۔

سلطنت عثمانیہ کے خلاف یہودی سازشیں

اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ترک خلفاء پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی۔ ترکی اس وقت یورپ کا مردِ بیمار تو بن ہی چکا تھا اور ترکی خلافت زوال سے دوچار ہو چکی تھی۔ ترک خلفاء بے چارے اس قانونِ فطرت کی زد میں آ چکے تھے جو اقبال کے اس شعر میں بیان ہوا ہے ۔

''میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر''

انہوں نے بڑے بڑے قرضے لے کر محلات بنائے تھے' جو آج آپ جا کر استنبول میں دیکھ سکتے ہیں۔ بے چارے قرضوں کے اندر بری طرح بندھے ہوئے تھے۔ انہیں یہودیوں نے بڑی سے بڑی رشوت پیش کی کہ کسی طرح ہمیں فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دیں۔ لیکن انہیں اس بات کا کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو معاہدہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اس کو ہم نہیں بدل سکتے۔ تم جاؤ' جا کر زیارت کرو' لیکن تم وہاں آباد نہیں ہو سکتے۔ فلسطین کا علاقہ اس وقت تک ترکی کے زیر نگیں تھا اور سلطنت عثمانیہ میں شامل تھا۔ سلطنت عثمانیہ پورے مغربی ایشیا' مشرقی یورپ اور شمالی افریقہ یعنی تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ چار سو برس تک خلافت ان کے ہاں رہی ہے۔ انہوں نے یہودیوں کی پیشکش قبول نہیں کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہودیوں نے اس خلافت کے نظام کو ختم کرنے کی سازش شروع کر دی۔ اسی سازش کے آثار دیکھ کر ہندوستان میں تحریک خلافت چلائی گئی تھی ۔

بولیں اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ ہیں تیرے شوکت علی بھی جان بیٹا خلافت پہ دے دو

یہ تحریک خلافت اُس وقت چلی تھی جب خلافت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی' لیکن نظر آ گیا تھا کہ خلافت کو ختم کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ ایک صاحب نے بڑا پیارا واقعہ سنایا کہ جب شیخ الہند مالٹا میں اسیر تھے (ان کا اسیری کا زمانہ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۰ء تک ہے) وہاں مالٹا کا کیمپ جس میں یہ اسیر تھے' اس کا انگریز کمانڈنٹ شیخ الہندؒ سے بہت متاثر تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ بہت فرشتہ صفت انسان ہے' نورانی شکل وصورت ہے' تو ان کا اچھا میل ملاپ تھا۔ ایک روز شیخ الہندؒ نے اس سے کہا کہ آپ ہماری خلافت کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ وہ تو ایک نیم مردہ شے ہے' اس میں جان تو ہے نہیں' یہ ہماری ایک نشانی ہے' اسے آپ کیوں برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟ اس نے کہا: حضرت اتنے بھولے نہ بنئے! ہمیں معلوم ہے کہ اس نیم مردہ خلافت میں بھی اتنی طاقت ہے کہ اگر اس نے جہاد کا فتویٰ دے دیا تو انڈونیشیا سے موریطانیہ تک مسلمان سر پر کفن باندھ کے نکل آئیں گے۔ لہٰذا ہمیں اسے ختم کرنا ہی کرنا ہے۔ اور ختم کس سے کرایا؟ ایک فری میسن مصطفیٰ کمال پاشا سے ؎

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

یہ عیاری کس کی تھی؟ یہود کی اور ان کے آلہ کار برطانیہ کی۔ ابھی خلافت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہود نے ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے ذریعے بالفورڈیکلریشن کی رو سے یہ حق حاصل کر لیا کہ وہاں جا کر آباد بھی ہو سکتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ ختم ہو گئی تھی اور اب خلافت محض نام کی رہ گئی تھی' جس کے تحت صرف ترکی رہ گیا تھا۔ جنرل ایلن بی کی فوجیں یروشلم میں داخل ہو چکی تھیں اور یروشلم پر برطانیہ کا قبضہ ہو چکا تھا' جبکہ برطانیہ کو قبضہ دلوانے والی فوجوں میں ہمارے ہندوستان کے مسلمان فوجی بھی شامل تھے۔ دوسری طرف عربوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت کی اور انگریز کا

ساتھ دیا۔

بالفور ڈیکلریشن اور اسرائیلی ریاست کا قیام

یروشلم پر برطانیہ کا قبضہ ہوا تو برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے اعلان کر دیا کہ یہودیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہیں تو فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں۔ یہ ۱۹۱۷ء کا اعلان ہے۔ اس کے بعد یہود نے وہاں آباد ہونے کے لئے جو طریقے برتے ان میں دھن، دھونس، دھاندلی، دھوکہ ہر چیز شامل ہے۔ مثلاً کسی فلسطینی سے پوچھا کہ آپ یہ مکان بیچیں گے؟ اس نے اس پر آمادگی ظاہر کی تو منہ مانگی قیمت سے بھی زیادہ ادائیگی کر کے اس سے فی الفور مکان خالی کرا لیا۔ ظاہر ہے کہ دولت کی ان کے ہاں کمی نہیں تھی۔ پورے یورپ کا سرمایہ یہودی بینکرز کے پاس تھا۔ صہیونی تحریک اصل میں بینکرز ہی کی تحریک تھی۔ ۱۸۹۷ء میں جن لوگوں نے جمع ہو کر اس تحریک کے پروٹوکول بنائے تھے وہ کون تھے! سب یہی بینکرز تھے۔ اسی طرح فلسطینیوں سے ان کے کھیت اور باغات بھی خرید لئے۔ دولت کے علاوہ دھونس اور زبردستی بھی کی گئی اور اہل فلسطین کو جبراً بھی وہاں سے بے دخل کیا گیا۔

۱۹۴۸ء میں جب اسرائیلی ریاست قائم ہو گئی تو اب اسرائیلیوں نے اپنی عدالتوں میں اس طرح کے استغاثے دائر کرنے شروع کر دیئے کہ فلاں مکان دو ہزار سال پہلے میرے فلاں جد امجد کا تھا جس پر اب مسلمان قابض ہیں۔ ایسے استغاثوں کے ساتھ جعلی دستاویزات بھی عدالت میں پیش کر دی جاتیں اور عدالت ان کی بنیاد پر یہودیوں کے حق میں فیصلہ دے کر فلسطینیوں کو وہاں سے بے دخل کر دیتی۔ مسئلہ فلسطین میں مغربی اقوام کا یہ کردار رہا ہے۔ اس میں سب سے بڑا رول برطانیہ نے ادا کیا اور دوسرے نمبر پر امریکہ رہا۔ اب نمبر ایک امریکہ ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے WASP کا امام برطانیہ ہے، امریکہ نہیں۔ اس لئے وہ اب بھی اسرائیل کا بہت بڑا وکیل ہے۔

اب نوٹ کیجئے کہ اس کے قیام کے قریباً نو ماہ قبل اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان

معرض وجود میں آیا۔اس میں اللہ کی جو حکمت نظر آتی ہے وہ مَیں بعد میں عرض کروں گا۔

عرب اسرائیل جنگیں

پہلی عرب اسرائیل جنگ ۱۹۴۸ء میں ہوئی جس میں عرب جیت رہے تھے کہ اچانک پتہ نہیں کیوں عربوں نے جنگ بند کر دی۔ یوں سمجھئے کہ یہ بالکل متوازی واقعہ ہے‘ کشمیر میں ہم جیت رہے تھے کہ بھاگ کر نہرو UNO کے اندر پہنچ گیا اور جنگ بند ہو گئی۔ اس میں کچھ اپنوں کی غلطی بھی تھی۔ قبائلی جو سری نگر ایئر پورٹ تک پہنچ گئے تھے‘ بجائے اس پر قبضہ مکمل کرنے کے لوٹ مار میں لگ گئے‘ لیکن اس کے باوجود ہمارا پلڑا بھاری تھا اور اگر سری نگر ایئر پورٹ پر قبضہ ہو گیا ہوتا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا کہ بھارت وہاں اپنی فوجیں اتار سکتا۔ زمینی راستہ تو تھا ہی نہیں۔ یہی کچھ وہاں بھی بڑے ہی عجیب طریقے پر ہوا ہے۔ عرب جیت رہے تھے‘ اسرائیلی شکست کھا رہے تھے‘ مگر عربوں نے صلح کر لی۔ کچھ مہینوں کے بعد عربوں نے دوبارہ جنگ کی‘ لیکن اسرائیل کی دہشت گردی کے آگے ان کی ہمت جواب دے گئی۔ مینخم بیگسن وغیرہ سب کے سب اس دور کے terrorist ہیں۔ اب انہوں نے ڈٹ کر جو مقابلہ کیا تو عربوں کو شکست فاش دے دی۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں عرب ہار گئے۔

۱۹۶۷ء میں روس کے سکھانے پڑھانے پر جمال عبدالناصر نے حملہ کیا اور ایلات کی بندرگاہ کی ناکہ بندی کر دی۔ لیکن چھ دن کی جنگ میں اسرائیلیوں نے مصر سے پورا صحرائے سینا لے لیا‘ شام سے جولان کی پہاڑیاں لے لیں اور اُردن سے نہ صرف پورا مغربی کنارا بلکہ مشرقی یروشلم بھی چھین لیا۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ یروشلم پورا کا پورا یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں یروشلم تقسیم کر دیا گیا تھا کہ مغربی یروشلم یہودیوں کے پاس اور مشرقی یروشلم مسلمانوں کے پاس رہے۔ اور مشرقی یروشلم ہی میں مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ ہے جو مسلمانوں کی تحویل میں تھے۔ اس علاقے پر اردن کا قبضہ تھا۔ لیکن ۱۹۶۷ء میں پورا یروشلم اسرائیل کے قبضے میں آ گیا۔

پھر بہر حال رمضان ۱۹۷۳ء کی جنگ میں مصر نے بدلہ لینے کی ایک کوشش کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مصریوں نے بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور بارلیو لائن عبور کر لی' جبکہ اسرائیلی سمجھتے تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی اس دفاعی لائن کو عبور نہیں کر سکتی۔ لیکن پھر جب امریکہ اپنی پوری طاقت لے کر میدان میں آ گیا تو ظاہر بات ہے کہ مصر کی حیثیت امریکہ کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں۔

☆☆☆

مذہبی اور سیکولر یہودیوں کی باہمی کشاکش

یہ ہے وہ مختصر سی تاریخ جو مَیں نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اب جو اصل مسئلہ ہے وہ سمجھئے کہ منظر کیا ہے؟ یہ وہ پہلو ہیں کہ شاید بہت سے حضرات کی نگاہوں میں نہ ہوں۔ باقی تو یہ تاریخ کے واقعات ہیں' اکثر لوگوں کے علم میں ہوں گے۔ یہودیوں میں بھی ایک بڑی شدید اندرونی کشاکش ہے' جیسا کہ مسلمانوں میں ہے۔ کچھ مسلمان وہ ہیں جو نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں اور انہیں دین سے تعلق خاطر ہے' جبکہ کچھ لوگ وہ ہیں کہ جنہیں نماز روزہ سے کوئی سروکار نہیں' نام ضرور محمد حسین اور غلام علی ہیں' ذہن سیکولر ہیں۔ مادہ پرستی ان کا وطیرہ ہے۔ ایسا ہی ان یہودیوں کے ہاں بھی ہے۔ اصل عملی یہودی کی شکل کبھی آپ نے دیکھی ہو گی۔ اس کے سر کے اوپر اونچا کالا ہیٹ ہوتا ہے' ان کی زلفیں لمبی لمبی ہوتی ہیں' خاص طور پر کنپٹی کے بالوں اور قلموں سے بڑا خوبصورت سا ہار بناتے ہیں' لمبا کالا کوٹ پہنا ہوتا ہے اور لمبی داڑھی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصر میں مسلمانوں میں سے بھی جس کی لمبی داڑھی ہوتی تھی اسے یہ سمجھتے تھے کہ یہ یہودی ہے۔ لمبی داڑھی یہودی رکھتا تھا' مسلمان نہیں۔ عرب مسلمان تو صرف ٹوکن داڑھی رکھتے ہیں' یا شیو کرتے ہیں' یا سعودیوں کی طرح صرف کوئی نشان چھوڑتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ عرب میں لمبی داڑھی جو شعار ہے وہ یہودیوں کا ہے۔ ایک انتہا پر تو یہ ہیں' دوسری انتہا پر وہ ہیں کہ جنہیں کسی شے سے کوئی غرض نہیں۔ شراب بھی پیتے ہیں' سود بھی کھاتے ہیں۔ ان میں بینکرز بھی ہیں' بڑے بڑے سائنس دان بھی ہیں۔ یہ زیادہ تر سیکولر ذہن کے مالک ہیں۔ کچھ بیچ میں بھی ہیں' جیسے یہ ایریل شیرون ہے'

اس کی داڑھی تو نہیں ہے لیکن سر پر ضرور ایک ٹوپی سی چپکی ہوئی نظر آ جائے گی۔ یہ درمیانی یہودی ہونے کا نشان ہے کہ ایک شعار انہوں نے اپنا برقرار رکھا ہوا ہے۔ ان کے ہاں زیادہ کشمکش سیکولر اور مذہبی لوگوں کے مابین ہے' جسے آپ rightists اور leftists کی کشمکش کہہ سکتے ہیں۔

ان کے درمیان جو ایک کشاکش ہے اس کو سمجھ لیجئے کہ وہ کیا ہے۔ ایک چیز تو ان دونوں کے درمیان قدرے مشترک ہے کہ پوری دنیا کی مالیات پر ہمارا تسلط ہو گا' ہم dominate کریں گے اور دوسرے لوگوں کو ہم حیوان بنا کر رکھ دیں گے۔ ہماری ملٹی نیشنل کمپنیاں ہوں گی' انہی کا راج ہو گا' انہی کی حکومتیں ہوں گی' انڈسٹری انہی کے ہاتھ میں ہو گی اور لوگ مزدوروں کی حیثیت سے کام کریں گے۔ ان میں سے تھوڑے سے مینیجرز لے کر ان کو بھی ہم تنخواہ دے دیں گے' باقی یہ کہ سود کے ذریعے سے ملائی ہم کھینچتے رہیں گے' مکھن ہمارے پاس آتا رہے گا۔ دنیا پر یہ مالیاتی تسلط تو دونوں کے نزدیک متفق علیہ چیز ہے' سیکولر یہودی بھی یہی چاہتے ہیں اور جو مذہبی یہودی ہیں وہ بھی یہی چاہتے ہیں۔

اس کے بعد ان کے مابین ایک اختلاف ہے۔ مذہبی یہودی یہ کہتا ہے کہ ہم نے گریٹر اسرائیل بنانا ہے جس میں وہ سارے علاقے شامل کرنے ہیں جو اُن کی تاریخ میں اسرائیلی سلطنت کا حصہ رہے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں یہودی مصر میں جا کر ڈیلٹا کے علاقے میں آباد ہوئے جو زرخیز ترین علاقہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ علاقہ ہمارا ہے' ہم وہاں کئی سو برس تک رہے ہیں۔ صحرائے سینا ہمارا ہے' اس میں کوہ طور ہے' جس پر حضرت موسیٰؑ اللہ سے ہم کلام ہوئے تھے اور یہیں پر ہمیں تورات ملی تھی۔ یہاں صحرائے تیہہ ہے جس میں ہم چالیس برس تک بھٹکتے پھرے ہیں' پھر فلسطین تو ہماری جدی پشتی جائیداد ہے۔ اور حجاز کا علاقہ بھی مدینے سمیت ہمارا ہے۔ ہمارے قبیلوں کو وہاں سے مسلمانوں نے نکالا تھا۔ پورا عراق ہمارا ہے' پورا شام ہمارا ہے اور ترکی کا بھی ایک ابتدائی علاقہ (جنوب مشرقی) ہمارا ہے۔ یہ ہے گریٹر اسرائیل کا نقشہ جو وہ کہتے

ہیں کہ ہم نے بنانا ہے' جبکہ سیکولر ذہن کے لوگ کہتے ہیں کہ عظیم تر اسرائیل بنا کر تم کیا کرو گے؟ اس صورت میں عرب تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے۔ وہ تمہیں ماریں گے' تم انہیں مارو گے۔ اگر تم ان کے دس مارو گے تو ایک تو وہ بھی تمہارا ماریں گے ہی! اس کے بجائے ہم یہ کرتے ہیں کہ عرب اور اسرائیل مل کر ایک اکنامک یونٹ بناتے ہیں۔ آخر ہم آپس میں کزنز ہیں نا! آپ کو معلوم ہوگا کہ بل کلنٹن نے یہ الفاظ کہے تھے جب اس نے شاہ حسین کا اسحاق رابن سے معانقہ کرایا تھا ''You are cousins''۔ یہ دونوں حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں کی نسل سے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ سے عرب ہیں اور حضرت اسحاقؑ سے یہ بنی اسرائیل ہیں۔ تو ہم کزنز مل کر ایک اکنامک یونٹ بناتے ہیں جیسے ایشیا پیسفک ایک یونٹ بن گیا ہے' آسیان ایک یونٹ بن گیا ہے' پورا یورپ ایک یونٹ بن گیا ہے' اس کی ایک کرنسی بن گئی ہے۔ اس طرح ہم مل کر اس پورے علاقے کو ایک اکنامک یونٹ بناتے ہیں۔ پیسہ عربوں کا ہوگا' ان کے پاس بہت دولت ہے۔ تیل ان کا ہوگا' بہت تیل ہے ان کے پاس۔ مزدور اُن کے ہوں گے' بڑی تعداد ہے ان کی۔ البتہ مینجمنٹ ہماری ہوگی' تکنیکی مہارت ہماری ہوگی' سائنس دان ہم ہوں گے۔ چنانچہ ملائی ہم کھاتے رہیں گے' چھاچھ اُن کو دیتے رہیں گے۔ تو ہمیں آم کھانے ہیں' پیڑ گننے کی کیا ضرورت ہے؟ خواہ مخواہ ان کی دشمنی کیوں مول لیں اور زیادہ دشمنی کیوں بڑھائیں؟ یہ چھوٹے سے اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے تو گریٹر اسرائیل کو کیسے تسلیم کرلیں گے؟ لہٰذا اس خیال کو دل سے نکال دو۔ مذہبی یہودیوں اور سیکولر یہودیوں میں یہ بہت بڑا اختلاف ہے۔ لیکن اس اختلاف میں اتفاق کی ایک صورت یہ پیدا کی گئی ہے کہ امن کے کسی بھی فارمولے کے تحت ہم یروشلم ان عربوں کو ہرگز نہیں دیں گے' یہ اسرائیل کا غیر منقسم دارالخلافہ رہے گا۔ اور دوسرے یہ کہ مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ کو گرا کر تھرڈ ٹمپل بنائیں گے۔ مذہبی یہودیوں کو اتنی رشوت اگر وہ نہ دیں تو وہ ان کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔

مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا کردار

ادھر امریکہ کا معاملہ کیا ہے؟ ایک طرف وہ پشت پناہ ہے' حمایتی ہے' محافظ ہے اسرائیل کا۔ اسرائیل کی حیثیت امریکہ ہی کی ایک آؤٹ پوسٹ یا اسی کی ایک ریاست کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنی عالمی مصلحتوں کے پیش نظر اتنی بڑی عرب قوم کو بھی دشمن نہیں بنانا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ عربوں میں جو moderate حکمران ہیں وہ ویسے ہی ان کی جیب میں ہیں' جیسے حسنی مبارک اور شاہ فہد ہیں۔ امریکہ کو معلوم ہے کہ اگر ان کی جگہ زیادہ radical لوگ آ گئے تو وہاں امریکہ کی دال نہیں گلے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ صلح کے لئے اسرائیل پر دباؤ ڈالتا رہا ہے جبکہ اسرائیل صلح نہیں چاہتا۔ اب مَیں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ جب خلیج کی جنگ ختم ہوئی تو اُس وقت کے صدر امریکہ جارج بش (موجودہ بش کے باپ) کی مقبولیت کا تناسب امریکہ میں ۸۹ فیصد تھا۔ اس نے اتنی بڑی جنگ میں فتح حاصل کی تھی اور اس میں صرف چند امریکی مرے تھے۔ لیکن اس نے اسرائیل کے خلاف ایک موقف اختیار کیا تھا جس کی اسے بھاری قیمت چکانی پڑی تھی۔ امریکہ کی طرف سے ۱۰ بلین ڈالرز منظور ہو چکے تھے جو اسرائیل کو دیئے جانے تھے۔ بش نے کہا کہ مَیں اس وقت تک یہ رقم ایشو نہیں کروں گا جب تک اسرائیل امن کا عمل شروع نہیں کرتا۔ یہ دباؤ تھا جس کے آگے دس بلین ڈالر کی خاطر اسرائیل کو گھٹنے ٹیکنے پڑے' لیکن انہوں نے اس کا بدلہ یہ چکایا کہ الیکشن میں بش کو ہرا دیا' حالانکہ وہ خلیج کی جنگ کا فاتح تھا اور ۸۹ فیصد ریٹنگ رکھتا تھا۔ اسی طرح بل کلنٹن کا بھی دباؤ رہا کہ کسی طرح صلح کرو۔ اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس معاملے میں اس نے واقعتاً ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اس کے دباؤ میں آ کر ایہود باراک جہاں تک چلا گیا تھا اب کوئی نہیں جا سکتا۔ اور اب فلسطینیوں کو وہ پیشکش دوبارہ نہیں دی جا سکتی۔

مشرقِ وسطیٰ میں جب امن کا پراسیس شروع ہوا جس کا نام تھا ''land for peace'' تو اس کے لئے امریکہ نے اصول یہ دیا تھا کہ دیکھو اسرائیلیو! تم نے ۶۷ء

میں جو زمینیں عربوں سے چھینی تھیں وہ ان کو واپس کر دو اور ان سے صلح کر لو' یہ سب تمہیں تسلیم کر لیں گے اور جنگ ختم ہو جائے گی۔ مصر کو صحرائے سینا دے دو' وہ تم سے صلح کر لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انور سادات نے صلح کر لی اور اسرائیل کو تسلیم کر لیا' صحرائے سینا واپس آ گیا۔ شام بھی اس کے لئے تیار رہا ہے لیکن وہ جولان ہائٹس کا پورا علاقہ مانگتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں کلنٹن کے آخری دَور میں گفتگو ہوئی تھی' اس نے کہا تھا کہ اسرائیل نے ان کا جتنا علاقہ چھینا تھا سارا واپس کر دے تو ہم اسے تسلیم کر لیں گے۔ لیکن اس علاقے کی کچھ ایسی سٹریٹجک اہمیت ہے کہ یہودی اسے کسی قیمت پر واپس کرنے کو تیار نہیں' لہٰذا صلح نہیں ہو سکتی۔ شرقِ اردن سے جو علاقہ لیا تھا اس کے بارے میں امریکہ کا اسرائیل کو مشورہ یہ ہے کہ اس کے اندر فلسطینی ریاست بنا دو' اس لئے کہ اس میں فلسطینیوں کی اکثریت ہے۔ اس طرح یہ ایک ریاست در ریاست ہو جائے گی' یعنی اسرائیلی ریاست کے اندر فلسطینی ریاست۔ امن کے عمل کے یہ تین اہم نکات ہیں۔

چوتھی بات یہ بیچ میں اگر روک دیتے تھے کہ یہ حساس مسئلہ کہ یروشلم کا مستقبل کیا ہو گا' اس کے بارے میں بعد میں سوچیں گے۔ جب یہ امن مذاکرات شروع ہوئے تو یاد ہے کہ اسحاق رابن کو کس نے قتل کیا تھا؟ ایک یہودی نوجوان نے۔ اس لئے کہ مذہبی یہودیوں کا یہ کہنا تھا کہ تم عربوں کو یہ زمینیں کیسے واپس دے رہے ہو؟ ہمیں تو اور زمینیں لینی ہیں۔ تم نے صحرائے سینا واپس کر دیا' ہمیں تو جشن کا سارا علاقہ لینا ہے' جو مصر کا زرخیز علاقہ ہے۔ تم جولان ہائٹس دے رہے ہو' ہمیں پورا شام لینا ہے۔ لہٰذا تم یہ کیسے "land for peace" کی پالیسی اپنا رہے ہو؟ ہم کوئی زمین واپس نہیں کریں گے' ہمیں تو اور لینی ہیں۔ لہٰذا اس کو خود یہودیوں نے قتل کر دیا۔ ایہود باراک یہاں تک چلا گیا تھا کہ ہم فلسطینی ریاست بھی مان لیں گے' مشرقی یروشلم بھی دے دیں گے' اس پر تمہارا اقتدار ہو گا' مسجد اقصیٰ بھی تمہارے پاس رہے گی' لیکن شمالی حصے میں یہ جو گنبد صخرہ کا علاقہ ہے اس سے دستبردار ہو جاؤ۔ گنبد صخرہ آپ تصویروں میں دیکھتے ہیں کہ بڑا سا سنہری گنبد ہے۔ یہاں پہلے temple mount پہاڑی تھی۔ اس جگہ کبھی ہیکل

سلیمانی تھا جو رومیوں نے گرا دیا تھا۔ اسی جگہ سے رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوا تو بعد ازاں عبدالملک بن مروان نے وہاں بہت بڑا گنبد بنوایا۔ یہ گنبد صخرہ ہے۔ یہ مسجد اقصیٰ نہیں ہے' مسجد اقصیٰ اس کے علاوہ ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مستطیل شکل کا علاقہ ہے جس کے جنوبی حصّے میں مسجد اقصیٰ اور شمالی حصے میں گنبد صخرہ ہے۔ ایہود باراک نے یہاں تک آفر کر دی تھی کہ مسجد اقصیٰ کو تم اپنے پاس رکھ لو' لیکن ٹمپل ماؤنٹ کے بارے میں ہماری مذہبی یہودیوں کے ساتھ commitment ہے کہ ہم یہاں تھرڈ ٹمپل بنائیں گے۔ یعنی ہیکل سلیمانی کی یہاں تیسری دفعہ تعمیر ہو گی۔ لیکن ظاہر ہے کہ مسلمان یہ بات کیسے مان لیں؟ یہ ہے وہ چیز کہ جس کی وجہ سے وہ سارا معاملہ ناکام ہوا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اگر فلسطینی یہ پیشکش قبول بھی کر لیتے تب بھی یہودی اسحاق رابن کی طرح ایہود باراک کو بھی قتل کر دیتے۔ انہیں یہ بات کسی صورت بھی گوارا نہیں کہ یروشلم کی تقسیم ہو جائے اور اس کا صرف مشرقی حصّہ ان کے پاس رہ جائے اور مغربی حصّہ عربوں کے پاس چلا جائے۔

اسرائیل کا آخری اقدام کا فیصلہ

اب دیکھیں اس وقت کیا صورتِ حال ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ مذہبی یہودیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ اس وقت وہاں جو وزیر اعظم ہے ایریل شیرون' اگرچہ وہ praticing یہودی اس طرح کا نہیں ہے' داڑھی والا نہیں ہے' زلفوں والا نہیں ہے' وہی کوٹ پینٹ والا ہے' لیکن سر پر ٹوپی سی ضرور رکھتا ہے' یہ انتہائی ظالم اور سفاک ہے۔ اس نے فلسطینیوں کے دو کیمپ ایسے اڑا دیئے تھے جیسے کہ چیونٹیوں کا کوئی لشکر ہو اور اسے پاؤں تلے روند دیا جائے۔ یہ بہت بڑا قاتل ہے اور اب اسرائیل کا وزیر اعظم ہے۔ اب یہودیوں کا یہ فیصلہ ہے کہ انہیں تین بڑے بڑے قدم اٹھانے ہیں:

(۱) فلسطینیوں کا مکمل خاتمہ (ethnic cleansing)۔ یہود کی سوچ یہ ہے کہ اگر یہ فلسطینی یہاں رہتے ہیں تو دس ہم ان کے ماریں گے تو دو تین یہ بھی ہمارے مار دیں گے' جبکہ اسرائیلیوں کی جان تو بہت قیمتی ہے۔ یہ اگر ہزاروں بھی مر جائیں تو کوئی

بات نہیں، یہ تو کیڑے مکوڑے ہیں، gentlies ہیں، goyems ہیں، لہٰذا ان کا ٹنٹا ختم کرو۔ وہ اشتہار شاید آپ کی نظروں سے گزرا ہوگا جس میں میں نے یہ الفاظ تحریر کئے ہیں کہ یہودی فلسطینیوں کے خلاف اتنا بڑا اقدام کرنا چاہتے ہیں کہ بوسنیا کی ''نسل کشی'' (ethnic cleansing) ماند پڑ جائے گی اور مسلمانوں کی جو نسل کشی پانچ سو سال قبل ہسپانیہ میں ہوئی تھی اس کا نقشہ سامنے آ جائے گا۔ اُس وقت کیا ہوا تھا؟ فیصلہ کیا گیا کہ عربوں کو یعنی مسلمانوں کو یا تو جلا دو، قتل کر دو، یا انہیں بحری جہازوں میں لے جا کر شمالی افریقہ کے ساحل پر اتار دو اور وہاں dump کر دو۔ ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ ہوا تھا اور اس کے بعد دس سال کے اندر اندر مسلمانوں کا ایک ایک بچہ تک ختم کر دیا گیا تھا۔ اب ان کا یہی فیصلہ ہے اور وہ اپنے آپ کو یہ بہت بڑا اقدم اٹھانے پر مجبور پاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ فلسطینی کب تک ہمارے لوگوں کو مارتے رہیں گے؟ ایک عرب لڑکا بم باندھ کر چلا گیا اور اس نے خودکش حملے میں ۱۶ یہودی اڑا دیئے۔ یہ چیز ان کے لئے نا قابل برداشت ہے اور اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔

(۲) اب انہیں بہر حال یہ کرنا ہے کہ مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ کو گرا کر وہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کریں۔ ایک سال قبل شیرون نے مسجد اقصیٰ کا دورہ کیا تھا اور اس نے تھرڈ ٹمپل کی بنیاد کے طور پر ایک بہت بڑا پتھر وہاں رکھنے کا ارادہ کیا تھا، جس پر فلسطینی نوجوان اینٹ، پتھر اور روڑے لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس وقت سے یہ انتفاضہ کا سلسلہ چل رہا ہے۔ اس میں لاتعداد فلسطینی مارے جا چکے ہیں، کچھ نہ کچھ یہودی بھی مرے ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اب وہ اس معاملے کو بالکل ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ تھرڈ ٹمپل ہر صورت بنا کر رہیں گے۔ لہٰذا اب کئی کئی ٹن وزن کے پتھر تیار کر کے وہاں لا کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ بلکہ ایک لطیفہ بھی مجھے یاد آیا ہے۔ یہ ۳۰ سال پرانی بات ہے۔ جب اس گنبد صخرہ کی مرمت ہو رہی تھی تو اس کے اوپر جو سونے کی پتری چڑھی ہوئی ہے اس کے لئے اردن کے شاہ حسین نے تیس ٹن سونا عطیہ کیا تھا۔ اس وقت مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ ان کی تولیت میں تھے۔ اس پر یہودی

اخباروں نے لکھا تھا کہ بہت اچھا ہے‘ جب ہم اپنا ہیکل تعمیر کریں گے تو یہ سونا ہمارے ہی کام آئے گا۔

(۳) مندرجہ بالا فیصلے کرنے کے بعد اسرائیل نے امریکہ کو الٹی میٹم دے دیا ہے کہ تم اب اپنی ٹانگ درمیان میں مت اڑاؤ۔ اور یہ دھمکی دی ہے کہ تم نے اگر ہمارے معاملے میں رکاوٹ ڈالی تو ہم تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ نتن یاہو نے کہا تھا کہ مَیں واشنگٹن کو آگ لگا دوں گا۔ اب انہوں نے ۱۱ ستمبر کی عظیم ترین دہشت گردی کر کے امریکہ کی انتظامیہ کو یہ عملی دھمکی دے دی ہے کہ باز آ جاؤ۔ پرسوں مسجد دارالسلام میں اپنے خطابِ جمعہ میں مَیں نے یہی بات کی‘ اور اسی شام کو میں نے ایریل شیرون کی تقریر ٹی وی پر سنی‘ جس میں وہ امریکہ کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ امریکہ بہادر ہم تمہارے محتاج نہیں ہیں‘ ہمیں صرف اپنے آپ پر بھروسہ ہے۔ تم ہماری قیمت پر عربوں کو خوش کرنے کی کوشش نہ کرو‘ ہم تمہارے چیتھڑے اڑا دیں گے۔ تم اب بیچ میں آؤ تو سہی۔ یہ پورا تاریخی عمل اب جس critical point پر پہنچ چکا ہے اس کے حوالے سے مجھے صد فیصد یقین ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر جو حملہ ہوا ہے یہ اسرائیل ہی کا کام ہے اور اسرائیل سے کم تر کسی ادارے کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسرائیل کے ایجنٹ امریکہ کے پورے نظام کے اندر اس طرح گھسے ہوئے ہیں جیسے سرطان کا پھوڑا جسم میں اپنی جڑیں جما لیتا ہے۔ پوری انتظامیہ‘ پوری معیشت‘ تمام ذرائع ابلاغ‘ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا‘ یہ اُن کے قبضے میں ہیں۔ دفاع کا سارا معاملہ ان کے قبضے میں ہے۔ کوئی اور طاقت یہ کر ہی نہیں سکتی۔ امریکہ کے سکیورٹی کے معاملات اتنے سادہ نہیں ہیں‘ بلکہ تہہ در تہہ دائرہ در دائرہ بہت زیادہ حفاظتی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ کوئی بے شناخت جہاز چند میل کا فاصلہ بھی طے نہیں کر سکتا‘ لیکن وہاں جہاز پینٹا گون سے آ ٹکرایا‘ اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر پہلا طیارہ ٹکرانے کے پورے ایک گھنٹہ بعد پینٹا گون سے طیارہ ٹکرایا ہے جو اُن کی مملکت کا حساس ترین دفاع کا مرکز ہے اور اس کا ایک تہائی حصہ جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ یہ دراصل یہودیوں نے امریکہ کو

دھمکی دی ہے۔نوٹ کر لیجئے کہ اس سے پیش نظر مقاصد کیا تھے؟

امریکہ میں دہشت گردی سے یہود کے پیش نظر مقاصد

یہودیوں کے پیش نظر اس دہشت گردی سے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں:

(۱) فوری طور پر اس کا رخ اُسامہ اور اس کی تنظیم القاعدہ کی طرف موڑ دینا کہ امریکہ غصے میں لال بھبوکا ہو کر فوراً اقدام کرے اور ایک طرف اُسامہ اور اس کے ساتھ طالبان کا ٹنٹا ختم کر دے اور دوسری طرف پاکستان کے عوام جو طالبان کے ہمدرد ہیں' وہ اگر اٹھیں تو ان کا بھی بیڑہ غرق کر دیا جائے۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار تو ادھر ہو جائیں گے اور جو مستقبل میں ہمیں خطرہ ہے اس کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔ یہودیوں نے ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد پیرس میں فتح کا جشن منایا تھا' جس میں بن گوریان نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: ''ہمیں کسی عرب ملک سے کوئی خطرہ' کوئی اندیشہ نہیں' ہمیں اندیشہ ہے تو صرف پاکستان سے ہے''۔ یہ ہے وہ بات جو مَیں نے کہی تھی کہ اسرائیل کے وجود میں آنے سے پیشتر پاکستان کے قیام میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت نظر آتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ((مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ دَاءٍ اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً)) ''اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری کہ جس کی دوا پیدا نہ کی ہو''۔ پاکستان دراصل اسرائیل کا توڑ ہے جو اللہ نے اس سے پہلے پیدا کیا۔ جیسے بچہ کی ولادت بعد میں ہوتی ہے ماں کی چھاتی میں دودھ پہلے آ جاتا ہے۔ یہ اللہ کی فطرت ہے' اللہ کا طریقہ ہے۔ یہود کو خطرہ ہے تو ہم سے ہے۔

ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو!

ان کی سوچ یہ ہے کہ پاکستان کی حکومت تو ٹھیک ہے ہماری جیب میں آ گئی' لیکن عوام کے اندر یہ چنگاری بھڑک سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے بار بار کہا کہ ہم پاکستان پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالنا چاہتے' یہ ہمارا بہت بڑا اتحادی ہے' ہم اس کی امداد کریں گے' ڈالر بھی دیں گے' یہ بھی کر دیں گے' وہ بھی کر دیں گے۔ یہ کہیں destabilize نہ ہو

جائے' یہاں کے عوام کہیں کھڑے نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر چہ انہیں پاکستانی حکومت کی پوری سپورٹ حاصل ہے لیکن یہ کم سے کم ظاہر نہیں ہونے دیں گے کہ یہ کیا کچھ ہو رہا ہے' تا کہ یہاں کے عوام کے اندر جو چنگاری موجود ہے وہ کہیں بھڑک نہ اٹھے۔ اس طرح یہ destabilize ہو جائے گا۔ لیکن destabilize ہونے میں جہاں پرویز مشرف کی حکومت ختم ہو سکتی ہے وہاں اس کا بھی خطرہ ہے کہ پاکستان نہ ختم ہو جائے۔ destabilize ہونے کا مطلب کیا ہے؟ بھارت کو واک اوور دیا جا سکتا ہے کہ جاؤ اب تم گھس جاؤ اور پولیس ایکشن کرو۔ اس لئے کہ یہاں اب امن نہیں رہا اور ہم امن قائم کرنے آئے ہیں۔ یا یونائیٹڈ نیشنز کی فوجیں فی الفور یہاں امن قائم کرنے کے لئے آ جائیں اور ہماری ایٹمی صلاحیت کو ویسے ہی برباد کر دیا جائے۔

ایک چیز تو یہودیوں کے پیش نظر یہ تھی۔ اس میں تو اللہ تعالیٰ نے کچھ تھوڑی سی عافیت پیدا کر دی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ امریکہ غصے میں آگ بگولا ہو کر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑے گا۔ لیکن وہاں بش کو اپنے باپ کی طرح کولیشن بنانے کی فکر ہو گئی' اور کولیشن بنتے بنتے بہر حال وقت لگتا ہے۔

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے!

کولیشن بناتے بناتے نیٹو بھی دہشت گردی میں اُسامہ اور افغانستان کے ملوث ہونے کے ثبوت مانگنے لگا۔ کسی نے کچھ اور کہا۔ سعودی عرب نے بھی کہا کہ ہمارے اڈوں سے جہاز اڑا کر آپ حملہ نہیں کریں گے' وغیرہ وغیرہ۔ اس چکر میں کچھ وقت نکل گیا اور اس دوران امریکہ پر فوراً ہی یہ عیاں ہو گیا کہ یہ تو ہمارے ساتھ کیا ہی اسرائیل نے ہے۔ لیکن وہ یہ بات ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ چنانچہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے سی این این اور بی بی سی ٹیلی ویژن پر یہ اعلان آیا کہ ۱۱ ستمبر کے حادثے کی جو تحقیقات ہو رہی ہیں اس کی معلومات لیک نہیں ہونی چاہئیں۔ کیوں؟ اُسامہ کے خلاف اگر کوئی ثبوت ہے تو ہزار مرتبہ لیک ہو جائے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے' یہ کون سا leakage ہے

جسے روکنا مقصود ہے؟ ''وہ تو ہمارا متبنیٰ ہے' ہمارا بیٹا ہے' جو یہ سب کر رہا ہے''۔ گویا
ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے!

(۲) اس دہشت گردی کے ذریعے انہوں نے یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کو اپنا پیغام دے دیا۔ شیرون کے الفاظ ہیں: Don't appease the Arabs at our expense یعنی امریکہ ہماری cost پر عربوں کی خوشامد اور ان کو خوش کرنے کی پالیسی ترک کر دے۔ شیرون نے امریکہ سے کہا ہے کہ جیسے تم نے چیکوسلواکیہ پر جرمنی کا قبضہ تسلیم کر کے اسے ہٹلر کے حوالے کر دیا تھا تو کیا تم چاہتے ہو کہ ہم بھی چیکوسلواکیہ بن جائیں؟ ہم نہیں بنیں گے۔

افغانستان میں کیا ہوگا؟

کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق یہ افغانستان پر حملہ تو ضرور کریں گے۔ اس کے لئے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے زبردست تیاریاں کی ہیں۔ لہٰذا کچھ نہ کچھ کام تو یہ کر کے دکھائیں گے۔ البتہ مجھے امید ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَاراً لِّلْحَرْبِ اَطْفَاهَا اللّٰهُ﴾ اس آگ کی بھڑک ان شاء اللہ کم ہو جائے گی۔ البتہ افغانستان میں کیا ہوگا' میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ جیسے قرآن مجید میں حضور ﷺ سے کہلوایا گیا ہے: ﴿وَاِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ o﴾ (الانبیاء: ۱۰۹)

''میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دُور ہے''۔

﴿وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ o﴾ (الانبیاء: ۱۱۱) اور مَیں نہیں جانتا کہ شاید اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ وقت کے لئے مہلت دے اور تمہاری رسی دراز کر دے اور ابھی عذاب کو ٹال دے۔ بہرحال یہ کون دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ کیا ہوگا۔ تباہی بھی آ سکتی ہے' کوئی بڑا setback بھی آ سکتا ہے۔ نشیب و فراز تو ہوتے ہیں۔ احیائے اسلام کا عمل تو جاری ہے۔ لیکن احیائی عمل کے ضمن میں حضور ﷺ کے زمانے میں بدر کے موقع پر گراف آسمان پر چلا گیا تھا اور غزوۂ اُحد میں وہ بہت نیچے بھی تو آ گیا تھا اور مسلمانوں کے حوصلے پست بھی تو ہو گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تشفی دی تھی: ﴿ وَلَا

تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ﴾ ''گھبراؤ نہیں' ڈرو نہیں' تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو' اگر تمہیں کوئی چرکہ لگا ہے تو تمہارے دشمنوں کو اس سے بڑا چرکہ لگ چکا ہے''۔ انہوں نے تو ہمت نہیں چھوڑی' ایک سال بعد تم پر دوبارہ حملہ آور ہو گئے۔ لہٰذا کوئی setback بھی آ سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے' اور اللہ کرے کہ یہ ہو جائے' کہ اب بھی کوئی واقعۂ فیل ظہور پزیر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ چڑیوں کے ذریعے سے ان کی چونچوں اور پنجوں میں پکڑی ہوئی کنکریوں کے ذریعے سے ہاتھی والوں کو برباد کر سکتا ہے ﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے پورے لشکر کو ایسے کر دیا تھا جیسے کھایا ہوا بھوسا جب جگالی کے بعد نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کر سکتا ہے' اس کے لئے کوئی مشکل نہیں' اسے ہر شے کی قدرت حاصل ہے۔

دوسری صلیبی جنگ کا آغاز

درحقیقت اصل ایشو فلسطین کا ایشو ہے جو اَب شروع ہونے والا ہے۔ جنگ کی اصل بھٹی وہاں دہکے گی۔ ظاہر بات ہے کہ اگر فلسطینیوں کے خلاف کوئی بہت بڑا اقدام ہو جاتا ہے اور واقعتاً گنبدِ صخرہ اور مسجد اقصیٰ گرا دیئے جاتے ہیں تو عالمِ عرب میں جو طوفان اٹھے گا وہ روکے نہ رکے گا۔ یہ حسنی مبارک ہوں' شاہ خالد ہوں یا کوئی اور' یہ اس طوفان کو نہیں روک سکتے۔ مسلمانوں میں بہرحال غیرت اور حمیت موجود ہے۔ مسلمان خواہ بالکل ان پڑھ اور بے عمل ہو وہ بھی مسجد کی حرمت پر کٹ مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

وہ چاہے کان پور کی مسجد تھی یا شہید گنج کی مسجد تھی' لوگوں نے جانیں دی ہیں' چاہے نماز نہ پڑھتے ہوں۔ تو یہ حمیت و غیرت جو ہے اس سے جو طوفان اٹھے گا یہ ہو گا وہ الملحمة العظمیٰ۔ اس کی طرف اب پیش رفت ہو رہی ہے۔ پرسوں (۵/ اکتوبر)

کے جمعے میں مَیں اس موضوع پر خطاب کر چکا ہوں اور ''کتاب الملاحم'' کی احادیث کے حوالے سے گفتگو کر چکا ہوں۔ اُس خطاب کی حیثیت دراصل آج کے خطاب کے ضمیمے کی ہے اور وہ اس سے بہت متعلق ہے۔ جن عظیم جنگوں کی حضور ﷺ نے پیشین گوئی کی ہے ان کا آغاز خلیج کی جنگ سے ہو چکا۔ صدام حسین نے اسے ''اُمّ المحارب'' (Mother of Wars) کہا تھا۔ اس کا نقشہ بھی احادیث میں موجود ہے۔ لیکن اب جو جنگ ہونے والی ہے وہ الملحمة العظمیٰ ہوگی۔ ذرا جان لیجئے کہ ملحمہ کسے کہتے ہیں؟ لحم گوشت کو کہتے ہیں اور قصائی کی دکان کو عربی میں ''ملحم'' کہتے ہیں جہاں گوشت کے ٹکڑے کئے جاتے ہیں۔ یہی لفظ فتح مکّہ کے موقع پر حضرت سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہما) نے استعمال کیا تھا۔ ان کے دل میں تھا کہ اب ہم قریش سے انتقام لیں گے۔ چنانچہ وہ علم اٹھائے ایک خاص کیفیت میں کہتے جا رہے تھے: ''اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ' اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ''۔ یعنی آج ہے گوشت کے ٹکڑے اڑانے کا دن۔ حضور ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپؐ نے ان سے کہا کہ نہیں' اس کے بجائے یہ کہو کہ ''اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ'' آج کا دن تو رحمت کا دن ہے۔ آج تو مَیں ان سب کو معاف کر دوں گا۔ چنانچہ فتح مکّہ کے بعد آپؐ نے قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''آج میں تم سے وہی بات کہوں گا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:

((اِذْھَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ)) ''جاؤ تم سب آزاد ہو''۔ احادیث میں ''الملحمة الکبریٰ'' کا لفظ بھی آیا ہے اور ''الملحمة العظمیٰ'' بھی۔ عظمیٰ مونث ہے ''اعظم'' کا' جس کا مفہوم ہے ''سب سے بڑا''۔ الملحمة العظمیٰ ''سب سے بڑی لڑائی''۔ میرے نزدیک یہ war کے معنی میں نہیں بلکہ battle کے معنی میں ہے۔ انگریزی میں یہ دونوں لفظ علیحدہ ہیں۔ war سالوں پر محیط ہوتی ہے جبکہ battle جو ایک خاص جگہ پر لڑائی ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں۔ حضور ﷺ اور قریش کے درمیان چھ سالہ جنگ (war) تھی' لیکن اس دوران جو جنگیں ہوئیں' مثلاً جنگ بدر اور جنگ اُحد' یہ battles تھیں۔ تو عظیم ترین جنگ شاید اس اعتبار سے نہ ہو جیسے جنگ عظیم اوّل

اور جنگ عظیم دوم اپنی وسعت اور طوالت کے اعتبار سے تھیں' بلکہ جنگ کی شدت اور ہولناکی کے اعتبار سے یہ عظیم ترین جنگ ہوگی۔

میں نے شروع میں کہا تھا کہ ع سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ حجاز وحولِ قدس! نیوٹیسٹامنٹ کی آخری کتاب ''مکاشفاتِ یوحنا'' میں اسے آرمیگاڈان (ہرمجدون) کہا گیا ہے۔ ہرمجدون عبرانی لفظ ہے۔ ''ہر'' اونچی جگہ یا سطح مرتفع کو کہتے ہیں اور مجدون وادی کو۔ ''وادی مرتفع'' اسرئیل' شام اور لبنان کے درمیان جو ٹرائی اینگل بنتی ہے وہاں پر واقع ہے۔ یہاں پر بڑی جنگ لڑی جائے گی اور یہ جنگ بھی جنگ صلیب (Crusade) ہوگی' جیسا کہ بش نے کہا ہے۔ سیکنڈ ملینیم شروع ہوا تھا تو پہلی صلیبی جنگ شروع ہوئی تھی' تھرڈ ملینیم شروع ہوا ہے تو یہ دوسری صلیبی جنگ ہوگی۔

اس دفعہ میں امریکہ گیا تو پہلی دفعہ مجھے وہاں ''Trumpet'' نامی رسالہ ملا۔ امریکہ کے جو انتہا پسند پروٹسٹنٹ ہیں یہ ان کا رسالہ ہے۔ اور ان کے بارے میں اب کہا جا رہا ہے کہ وہ عیسائی صہیونی (Christian Zionist) ہیں۔ آپ کے علم میں شاید پہلی مرتبہ یہ لفظ آ رہا ہوگا' اس لئے کہ صہیونی (Zionist) تو ہم سمجھتے ہیں یہودیوں کو۔ Christian Zionists وہ ہیں جو ہیں تو عیسائی' پروٹسٹنٹ ہیں' لیکن اسرائیل کے وہ یہودیوں سے بڑھ کر حمایتی ہیں۔ چار سال پہلے ہماری تنظیم اسلامی کا ایک کنونشن ہوسٹن میں ہوا تھا جو امریکہ کے جنوبی علاقے کا ایک شہر ہے۔ اس میں ایک سیشن ہم نے ''Interfaith Dialogue'' کا رکھا تھا۔ اس میں ہم نے ایک عیسائی سکالر کو بھی بلایا تھا اور ایک یہودی عالم ڈاکٹر وشوگراڈ کو بھی جو وہاں کی یونیورسٹی آف امریکہ میں پروفیسر امریطس ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اسرائیل کی پشت پناہی تو عیسائی کر رہے ہیں' ہم تو نہیں کر رہے۔ جو عملی یہودی تھے وہ زیادہ تر اسرائیل کے حق میں نہیں تھے' انہوں نے تو ۱۹۶۷ء کے بعد اسرائیل کو تسلیم کیا ہے۔ وہ تو منتظر تھے کہ ہمارا مسیحا آئے گا تو ہم اس کی قیادت میں جنگ کریں گے' جیسے شیعہ منتظر تھے کہ مہدیٔ موعود آئیں گے اور پھر وہ کچھ کریں گے۔ وہ تو امام خمینی نے کہا کہ مہدی تو جب آئیں

گے تب آئیں گے' لیکن ہم ان کے لئے کچھ راستہ تو صاف کریں۔ Zionists نے آگے بڑھ کر اسرائیلی ریاست قائم کر لی' اور جب یروشلم پر بھی قبضہ کر لیا تب مذہبی یہودیوں نے اسے اپنی ریاست سمجھا ہے اور پھر اسرائیل میں جو نئے settlements بنے ہیں ان میں اکثر و بیشتر مذہبی یہودی آگے آئے ہیں۔ اور ووکلین کے علاقے سے سب سے بڑھ کر آئے ہیں جو نیویارک کا جنوبی علاقہ ہے اور یہودیوں کا بہت بڑا گڑھ ہے۔ نیویارک کو اسی لئے جیویارک بھی کہا جاتا ہے۔ اس حوالے سے وہاں پر جو کرسچین زائنسٹ کہلاتے ہیں وہ اسرائیل کے یہودیوں سے بھی کہیں بڑھ کر سپورٹر ہیں۔

Trumpet نامی رسالے میں ایک مضمون ہے ''The Last Crusade'' یعنی اب یہ آخری صلیبی جنگ ہے جو ہونے والی ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ وہ کس قدر کھل کر باتیں کر رہے ہیں۔ رومن کیتھولکس کو وہ کہتے ہیں کہ یہ شیطان ہیں۔ پوپ کو بھی وہ شیطان کہتے ہیں۔ امریکہ نے اس وقت یورپ کو عیسائیت کی بنیاد پر جمع کیا ہے اور اس میں زیادہ تر کیتھولکس ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ برطانیہ ان کے ساتھ بڑی مشکل سے شامل ہوا ہے' اس لئے کہ وہ پروٹسٹنٹس کا سردار تھا۔ اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ یورپ اب دوبارہ رومن امپائر کھڑی کر رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کیتھولک عیسائی فلسطین کو یہودیوں سے بھی چھیننا چاہتے ہیں اور مسلمانوں سے بھی' تاکہ وہاں کیتھولکس کی حکومت قائم ہو جائے جیسے مشرقی تیمور میں قائم کر دی گئی۔ عیسائیوں کے سارے مقاماتِ مقدسہ فلسطین ہی میں ہیں۔ حضرت مسیح بیت اللحم میں پیدا ہوئے جو وہیں ہے۔ اسی فلسطین میں (ان کے خیال میں) وہ سولی دیئے گئے' یہیں ان کا بعث بعد الموت ہوا۔ ان کے بڑے بڑے چرچ بھی وہی پر ہیں۔ تو اس اعتبار سے ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ آخری صلیبی جنگ کی تیاری ہو رہی ہے۔ چنانچہ یہ KAFOR جو نیٹو کی پوری طاقت ہے' پہلے جرمنی سے بوسنیا لائی گئی۔ انہوں نے خود وہاں جنگ کروائی اور مسلمانوں کی نسل کشی کروائی۔ پھر خود مصالحت کے لئے آ گئے۔ پھر کوسووو میں انہوں نے خود آگ

بھڑکائی اور مسلمانوں کا قتل عام کروایا اور پھر خود ہی وہاں پر اَمن فوج کی حیثیت سے آ گئے۔ اب وہ مقدونیہ میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کا اگلا قدم قبرص (Cyprus) ہوگا جہاں یہ ترکوں اور یونانیوں کو لڑائیں گے اور وہاں آ جائیں گے۔ وہاں سے ایک چھلانگ لگا کر فلسطین پہنچیں گے۔ اس طرح یہ رومن امپائر کی طرح کی ایک رومن کیتھولک ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔

تو وہاں امریکہ کے عیسائیوں میں بھی کوئی ایک طبقہ نہیں ہے۔ کیتھولکس بھی ہیں' جو یہودیوں کے زیادہ ہمدرد نہیں تھے' لیکن اب تابع ہو چکے ہیں۔ اسحاق رابن نے جب امن مذاکرات کا آغاز کیا تھا تو آپ کو یاد ہوگا کہ واشنگٹن سے واپس اسرائیل آتے ہوئے پہلے وہ روم میں رکا تھا اور اس نے پوپ کو حضرت سلیمانؑ کے زمانے کا ایک مرتبان پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ دیکھئے' تین ہزار برس تک ہم نے اس کی حفاظت کی ہے' اب یہ میں آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ اس کے بعد پوپ بالکل رام ہو گیا اور یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین پورا پورا معاہدہ ہو گیا۔ اب پوری عیسائی ورلڈ بحیثیت مجموعی یہودیوں کے شکنجے میں ہے۔ البتہ ان کے اندر بھی جھگڑے ہیں۔ کیتھولکس میں جو انتہا پسند وائٹ کرسچین ملیشیاز ہیں ان کے نزدیک دشمن نمبر ایک یہودی' دشمن نمبر دو مسلمان اور دشمن نمبر تین سیاہ فام افرو امریکن ہیں' خواہ وہ عیسائی ہو چکے ہوں۔ ان کے یہ تین دشمن ہیں جن سے انہوں نے اپنے خیال کے مطابق امریکہ کی سوسائٹی کو صاف کرنا ہے۔ لیکن پروٹسٹنٹس کے اندر انتہا پسند وہ ہیں جنہیں کہا جا رہا ہے کہ یہ کرسچین زائنسٹ ہیں۔ یہ اسرائیل کے اسرائیل سے بڑھ کر حمایتی ہیں۔

عظیم ترین جنگ کا آخری نتیجہ

بہرحال اب یہ جو جنگ ہو گی اس کا نتیجہ کیا نکلے گا' یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ ''یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے مابین گردش دیتے رہتے ہیں''۔ اس کا آخری نتیجہ یعنی ڈراپ سین بہرصورت یہ ہوگا کہ اللہ کے دین کا بول بالا ہوگا اور پوری دنیا پر محمد رسول اللہ ﷺ

کے لائے ہوئے دین کی حکومت قائم ہوگی۔ وہ گویا قیامت کی تمہید ہوگی' اس کے بعد بس قیامت آ جائے گی۔ چنانچہ مقصد تخلیق کائنات پورا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نقطۂ عروج محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ دین کی تکمیل بھی محمد ﷺ پر ہوئی۔ اور حضرت آدمؑ کو جو خلافتِ ارضی دی گئی تھی' جب وہ خلافت پوری دنیا میں قائم ہو جائے گی تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا اور یہ گویا خاتمہ کا آغاز ہوگا۔ اس کے بعد قیامت ہے۔ آخری نتیجہ تو یہ نکلنا ہے۔ اس سے پہلے سزائیں ہمیں بھی مل رہی ہیں۔

ایک کانٹے کی بات جو میں اس وقت چھوڑ گیا تھا' بیان کر دوں۔ اللہ نے اس مغضوب علیہم قوم کو' اس ملعون قوم یہود کو اب تک چھوٹ دیئے رکھی ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں یہ بڑے عذاب کے مستحق ہو چکے تھے لیکن انہیں ملیامیٹ نہیں کیا گیا' بلکہ ابھی تک چھوٹ دیئے رکھی ہے' بلکہ ایک مرتبہ ابھارا ہے۔ قریباً انیس سو برس کے بعد یہ گزشتہ صدی میں ابھرے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈکلریشن منظور ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام عمل میں آیا' ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کی توسیع ہوئی اور یروشلم پر اُن کا قبضہ ہو گیا۔ یہ سارا کچھ جو ہے کیوں ہے؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ اس خیر اُمت اُمت محمد ﷺ کے بہترین حصے کو ان ملعونوں کے ہاتھوں سزا دے رہا ہے۔ اس لئے کہ جو جرم یہودیوں نے کیا تھا وہی جرم ہم نے کیا۔ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ کے پیچھے پھینکا ﴿نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ﴾ ہم نے بھی اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینکا یا نہیں؟ تمام اسلامی ممالک نوآبادیاتی نظام سے آزاد ہوئے' لیکن کہیں اسلامی قانون نافذ کیا؟ کہیں اسلامی نظام قائم کیا؟ تو جو جرم ان کا تھا وہی ہمارا ہے۔ ہم ''خیر اُمت'' ہیں اور اس اُمت کا بہترین حصہ عرب ہیں۔ ان پر اللہ کا خصوصی فضل یہ ہوا کہ ان کی مادری زبان میں اللہ کی کتاب موجود ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے اللہ کے دین کو پیٹھ دکھائی۔ نوآبادیاتی نظام سے جو ملک آزاد ہوا اُس نے اپنا قبلہ ماسکو کی طرف کر لیا یا واشنگٹن کی طرف۔ کسی نے مکّے کو قبلہ نہیں بنایا۔ چنانچہ یہ بدترین سزا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے: ((وَیْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ

اقْتَرَبَ)) ''عربوں کے لئے بربادی ہے اس شر سے جو قریب آ پہنچا ہے''۔ اور ترمذی شریف میں تو یہاں تک روایت ہے: ((مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاکُ الْعَرَبِ)) ''قیامت کے قرب کی ایک نشانی یہ ہے کہ عرب ہلاک ہو جائیں گے''۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب فلاں فلاں فتنے ظہور پذیر ہوں گے اور ایسی بربادی آئے گی تو کسی زوجہ محترمہؓ نے پوچھا: عرب اُس دن کہاں ہوں گے؟ فرمایا: ((اَلْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَلِیْلٌ)) ''عرب اس دن بہت کم ہوں گے''۔ یہود کا آخری خاتمہ حضرت مسیحؑ کے ہاتھوں ہو گا۔ وہ عذاب جو دو ہزار برس تک ان سے ٹلا رہا' وہ آئے گا اور ان کے رسول ہی کے ہاتھوں آئے گا' لیکن اس سے پہلے مسلمانوں پر یہ عذاب آنا ہے جو Holocaust کے درجے کا عذاب ہو گا۔ الملحمة الکبریٰ (سب سے بڑی جنگ) اور الملحمة العظمیٰ (عظیم ترین جنگ) آنے والی ہے اور یہ بہت جلد وقوع پذیر ہو گی۔

ہمارے کرنے کے کام

اب آخری بات یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کچھ کریں بھی یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟

(۱) انفرادی توبہ: دیکھئے اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ لہٰذا ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ دنیا میں تباہی و بربادی آ بھی جائے' آخرت بچ جائے۔ چنانچہ پہلا کام یہ ہے کہ ہر شخص ایسی توبہ کرے جس کے لئے قرآن حکیم میں ''توبةً نصوحا'' کے الفاظ آئے ہیں۔ توبہ کی تسبیح نہیں' آیت کریمہ کا ختم نہیں کہ لاکھ مرتبہ ''لَا اِلٰــهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' کا ورد کر لیا جائے۔ توبہ یہ ہے کہ اپنی معاش کے اندر جھانکئے' اپنی معاشرت کے اندر جھانکئے' جہاں جہاں اسلام کے خلاف کچھ نظر آئے اسے کاٹ کر پھینک دیجئے' بے پردگی ہے تو اسے ختم کر دیجئے۔ آپ کی کمائی میں حرام کا عنصر ہے تو اسے نکال پھینکئے۔ توبہ کیجئے' ابھی کیجئے! عملی طور پر فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہے تو ابھی سے کمر ہمت کس لیجئے! اللہ کے دین کے غلبے کی

جدوجہد کے لئے ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کہتے ہوئے آگے بڑھئے۔ اگر میرے اور آپ کے کئے کچھ نہ ہوا تب بھی کم سے کم میری اور آپ کی آخرت تو بچ جائے گی۔ ہم دائمی اُخروی عذاب سے تو بچ جائیں گے۔

(۲) اجتماعی توبہ: یہ توبہ کیسے ہوگی؟ یہ سلطنت خداداد جو اللہ نے ہمیں عطا کی تھی' اس میں اسلام کا نظام قائم اور شریعت نافذ کی جائے۔ اس کی خاطر جدوجہد کے لئے ایک منظم جماعت بنا کر تن من دھن کے ساتھ لگ جائیں۔ اوّل تو تمام جماعتیں ایک متحدہ محاذ بنائیں اور میدان کے اندر آجائیں۔ صرف طالبان کی حمایت کے لئے نہیں' اس ملک میں اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے یک جا ہو جائیں۔ بہر حال اس کے لئے کوششیں تو جتنی بھی ہو سکتی ہیں ہو رہی ہیں۔ میں کتنے عرصے سے کہہ رہا ہوں کہ کاش یہ ساری کی ساری دینی جماعتیں پاور پالیٹکس سے پسپائی اختیار کریں اور ایک مطالباتی تحریک' ایک مزاحمتی تحریک' ایک پریشر موومنٹ اٹھائیں اور ایک پریشر گروپ کی صورت میں مطالبہ کریں کہ یہاں شریعت نافذ کرو' اللہ کے دین کو قائم کرو۔ اس کے لئے سب دینی جماعتیں میدان میں آجائیں۔

گزشتہ دنوں میرا ایک مضمون چھپا تھا کہ امریکہ میں دہشت گردی سے پیدا شدہ خوفناک عالمی صورتِ حال کے نتیجے میں جو کچھ افغانستان پر ہونے والا ہے' اس بہت بڑے شر میں سے پاکستانی معاشرے کے لئے ایک خیر یہ پیدا ہوا ہے کہ ملک میں ایک جانب سیکولر اور مغرب زدہ عناصر اور دوسری جانب دین و مذہب کے ساتھ عملی و جذباتی وابستگی رکھنے والے لوگوں کے مابین واضح امتیاز اور جداگانہ تشخص کا احساس وادراک نمایاں طور پر پیدا ہو گیا ہے۔ گویا پاکستانی معاشرے میں ایک نئی دو قطبی تقسیم (Polarisation) پیدا ہو رہی ہے جو پاکستان میں اسلامی انقلاب کے اعتبار سے نہایت مفید ہے۔ اس سے آگے ایک خیر مزید ظاہر ہو رہا تھا کہ مذہبی جماعتیں خود بخود ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو رہی تھیں۔ لیکن بدقسمتی سے اب پھر پسپائی ہے۔ وہ جو دفاع پاکستان و افغانستان کونسل بنی تھی اس کے تحت چند ایک جلسے ہوئے' لاہور میں ہوا' پشاور

میں ہوا' اس کے بعد اب جماعتیں سولو فلائٹ کر رہی ہیں۔ چنانچہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے کوئٹے میں جلسہ کیا' قاضی صاحب نے ملتان میں جلسہ کیا' مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے پنڈی میں اور پشاور میں بھی جلسے کئے' لیکن اگر یہ سب کے سب یکجا ہو کر کرتے تو ساری طاقت یکجا ہوتی اور اس کا بہت اثر ہوتا۔ ظاہر بات ہے علیحدہ علیحدہ ہونے میں وہ اثر نہیں ہے۔ کیا کیا جائے' شاید ہماری سابقہ کوتاہیوں کی نحوست ابھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہی' ورنہ یہ وقت ایسا تھا کہ ایک مضبوط اتحاد وجود میں آ سکتا تھا۔ میں نے دفاع افغانستان کونسل میں شرکت پر قاضی حسین احمد صاحب کو مبارک باد دی تھی۔ اس لئے کہ اگرچہ وہ اس سے پہلے طالبان کے زیادہ پرجوش حامی نہیں تھے' لیکن جب افغانستان پر عالمی پابندیاں لگائی گئیں تو ۱۰ جنوری کو پشاور میں مولانا سمیع الحق صاحب کی دعوت پر دینی و مذہبی جماعتوں کے قائدین جمع ہوئے اور دفاعِ افغانستان کونسل بنی تھی تو اس میں وہ بھی پہنچے اور اس کے بعد انہوں نے اس میں مسلسل حصہ لیا۔ اس کونسل میں ہم بھی شریک ہیں' ہماری جماعت چھوٹی ہے' ہم خادموں کی حیثیت ہی سے شامل ہو جائیں گے۔ لیکن افسوس کہ محسوس ہو رہا ہے کہ اتحاد کی کیفیت باقی نہیں رہی۔ اللہ کرے کہ دینی جماعتیں ایک مٹھی بن جائیں۔ اس کے لئے دعا کے ساتھ ساتھ بھرپور کوشش بھی ہونی چاہئے۔ میری چھوٹی سی ایک تنظیم ہے' میں اس سطح پر کوشش کر رہا ہوں۔

(۳) یہ نوٹ کر لیجئے کہ پاکستان کی ایک منزل ہے' ایک تقدیر مبرم ہے' جیسے کبھی علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں کہا تھا کہ "ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست کا قائم ہونا destiny (تقدیر مبرم) ہے۔ اسی طرح میں کہہ رہا ہوں کہ پاکستان کی destiny ہے کہ آخری کفر اور اسلام کے مابین جو معرکہ ہونا ہے اس میں پاکستان کو بڑا crucial کردار ادا کرنا ہے۔ اقبال نے کہا تھا ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا!

اقبال نے یہاں لفظ ''تہذیب'' استعمال کیا ہے۔ آج سارا یورپ تہذیب کی دہائی دے رہا ہے' بش بھی اور بلیئر بھی تہذیب تہذیب پکار رہے ہیں:

Our civilization has been threatened

کیا تہذیب ہے تمہاری؟ homo sexuality تمہاری تہذیب ہے! تمہاری تہذیب یہ ہے کہ بل کلنٹن نے پچھلے سال نیو ایئر ڈے پر اپنے پیغام میں کہا تھا کہ عنقریب امریکی قوم کی اکثریت حرام زادوں پر مشتمل ہوگی۔ یہ تہذیب ہے تمہاری؟ بچے بغیر کسی شادی' نکاح کے پیدا ہو رہے ہیں' one parent family رہ گئی ہے' بیڑہ غرق ہو چکا ہے تمہارا۔ یہ تو ٹیکنالوجی ہے جو تمہیں لے کر کھڑی ہے۔ جیسے حضرت سلیمانؑ کی موت واقع ہو گئی تھی اور وہ اپنے عصا کے بل پر کھڑے تھے۔ یہ تمہاری تہذیب ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی!

اور وہ کر چکی ہے۔ تہذیب تو مر چکی ہے۔ فیملی سسٹم برباد ہو چکا ہے۔ اس ٹیکنالوجی کے لئے اقبال نے لفظ ''مشین'' استعمال کیا ہے ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا!

اس معرکۂ روح و بدن میں پاکستان نے اہم کردار ادا کرنا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا اسرائیل کی پیدائش سے نو مہینے پہلے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو قائم کیا اور یہ لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے' جس طرح قرآن حکیم لیلۃ القدر میں نازل ہوا ﴿اِنَّـا اَنۡـزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡـقَدۡرِ ﴾ اسی طرح پاکستان نازل ہوا ہے۔ البتہ اس میں ہمیں جو ایٹمی صلاحیت حاصل ہے اس کا ہر قیمت پر تحفظ کرنا ہے۔ میں حالیہ بحران کے ضمن میں حکومت پاکستان کے موقف پر اپنے جذبات کا اظہار کر چکا ہوں۔ یہاں اتنا اضافہ کر رہا ہوں کہ خدا کے

لئے مشرف صاحب سوچئے! کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اگلی دھمکی آئے کہ اگر تم اپنی ایٹمی صلاحیت ختم نہیں کرتے تو تم ہمارے دشمن ہو اور آپ کانپ کر رہ جائیں کہ اب کیا کریں؟ اس وقت بھی تو یہی بات آئی ہے نا کہ کوئی درمیانی شکل نہیں' یا ہمارا ساتھ دو یا ہمارے دشمن شمار ہو۔ اور آپ کانپ گئے کہ جی جی ہم حاضر ہیں۔ آپ نے قومی غیرت وحمیت کا جنازہ نکال دیا۔ عدل وانصاف کے مسلمہ تقاضے پامال کر دیئے کہ جرم کا ثبوت تو کہیں ہے نہیں۔ آج بھی برطانیہ کہہ رہا ہے کہ convincing ثبوت نہیں ہے' اس کی بنیاد پر کوئی مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا۔ اور پرویز مشرف صاحب کو پتہ نہیں انہوں نے کیا دکھایا ہے کہ وہ واقعتاً اسے قابل اطمینان مان گئے ہیں۔ طالبان خود کہہ رہے تھے کہ اُسامہ کے خلاف ثبوت پیش کرو' نہ صرف ہم یہاں خود مقدمہ چلائیں گے بلکہ اسے حوالے بھی کر دیں گے' لیکن ثبوت تو لاؤ ہمارے سامنے! یہ تو اسرائیل کی سازش ہے جو اب امریکہ پر عیاں ہے۔

آخری جنگ الملحمة العظمی مشرق وسطیٰ ہی میں ہوگی اور بڑی عظیم جنگ ہونی ہے۔ لیکن اس میں پاکستان کو جو رول پلے کرنا ہے اس کا اشارہ حدیث نبویؐ سے مل جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک مشرقی ملک سے فوجیں جائیں گی جو حضرت مہدی کی حکومت عرب میں قائم کریں گی اور خراسان سے سیاہ علم لے کر فوجیں نکلیں گی جو حضرت مسیحؑ کے ساتھ کھڑی ہوں گی اور یروشلم واپس لیں گی۔ یروشلم پہلے عربوں نے ۱۰۹۹ء میں کھویا اور ۱۱۸۷ء میں ۸۸ برس بعد کُردوں نے واپس لیا۔ صلاح الدین ایوبی ایک کُرد تھے۔ اب ۱۹۶۷ء میں پھر عربوں نے کھویا' لیکن اب بھی عرب اسے واپس نہیں لے سکیں گے' بلکہ خراسان سے چلنے والے پرچم بردار لشکر اسے واپس لیں گے۔ افغانستان اس خراسان کا دل ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں جو بہت بڑا خراسان تھا اس کا دل افغانستان ہے۔ پاکستان کا ایک علاقہ مالاکنڈ ڈویژن اس خراسان کا حصّہ ہے۔ ایران کا ایک علاقہ بھی اس کا حصّہ ہے اور خراسان کے نام سے ایران کے شمال مشرقی کونے پر اس کا ایک صوبہ ہے۔ اور یہ جو آزاد ترک ریاستیں ہیں

وہ بھی اس کا حصہ ہیں۔ یہ ایک ملک تھا خراسانِ عظیم۔ ایرانی اس کو خراسانِ بزرگ کہتے ہیں۔ اور اس بارے میں اُسامہ نے کہا تھا کہ میں تو خراسان کے اندر آ کر بیٹھ گیا ہوں، اللہ نے مجھے خراسان میں پہنچا دیا ہے۔ انہوں نے یہ بات اسی حدیث کے حوالے سے کہی تھی۔ بہر حال اس ایٹمی صلاحیت کی حفاظت ہمیں اپنی جان سے بھی بڑھ کر کرنی ہے۔ پاکستان داؤ پر لگ جاتا ہے تو لگ جائے، بچانے والا اللہ ہے، لیکن ہماری جو ایٹمی صلاحیت ہے یہ ہمارے پاس پوری اُمتِ مسلمہ کی امانت ہے، اس کو ہم کوئی گزند نہیں پہنچنے دیں گے۔

(۴) اس آزمائش کے وقت میں ہم اپنے افغان بھائیوں کی جو مدد بھی کر سکتے ہیں کریں۔ پاکستان کی حکومت کے موقف کے خلاف اپنا اظہار رائے ڈٹ کر کریں۔ انہوں نے سرکاری سطح پر ریلیاں نکال دی ہیں، آپ عوامی سطح پر میدان میں آئیں، اظہار تو کریں، بولیں تو سہی، گونگے تو بن کر نہ بیٹھیں۔ اگر ایسا کریں گے تو حکومت کے ان کاموں کے اندر آپ کی شمولیت سمجھی جائے گی۔ آیئے تاکہ اپنا اختلاف ظاہر کریں، بآواز بلند کریں، اس میں جو تکلیف آئے آئے، ہر چہ بادا باد۔ اور یہ کہ اس کے علاوہ دامے، درمے، سخنے جو مدد بھی پہنچائی جا سکتی ہے پہنچائی جائے۔ امریکہ اور اس کے حواری افغانستان کے لئے امداد کے نام پر جو کچھ بھیج رہے ہیں یہ تو وہاں کے افغانوں کو طالبان کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنے کے لئے ہے کہ دیکھو ہم تمہارے خلاف نہیں لڑنے آئے، تمہیں تو ہم کھلا پلا رہے ہیں، یہ ہیں اصل بس کی گانٹھ طالبان جن کی وجہ سے تم پر مصیبت آئی ہے، ان کے خلاف کھڑے ہو جاؤ! یہ سارے ہتھکنڈے یورپی اقوام کے ہیں۔ ہاں ان کو حقیقتاً امداد پہنچانے کے جو ذرائع ہیں انہیں اختیار کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔

اقولُ قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

عالمی فساد اور افراتفری کے پیچھے کارفرما حقیقی بدروح

امریکہ سے ایک سنجیدہ آواز

یورپی امریکی اتحاد اور حقوق کی تنظیم EURO کی امریکی شاخ کے صدر ڈیوڈ ڈیوک کا چشم کشا مضمون

جو بذریعہ ای میل بتاریخ جمعرات ۱۷ ستمبر ۲۰۰۱ء موصول ہوا

مترجم: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

امریکہ کو بہت بڑا مسئلہ درپیش ہے

ہمیں ابھی ابھی جدید تاریخ کے انتہائی قابل دید اور ہلاکت خیز حملے کے صدمے سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ہالی ووڈ فلم سے انتہائی حقیقت نما منظر دکھایا گیا جس میں مسافر بردار اغوا ہونے والے طیارے نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور واشنگٹن میں پینٹا گان کے ساتھ براہ راست ٹکرا رہے تھے۔ اس واقعہ میں ہزاروں امریکی موت کے منہ میں چلے گئے یا پھر اپاہج ہو گئے۔ نقصان کا اندازہ ایک ٹریلین ڈالر سے زیادہ لگایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ عالمی معاشی بحران کا باعث بھی بنے گا۔

دہشت گردی کی ان خوفناک کارروائیوں کا امریکی عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوگا اور جو لوگ اس طرح کے وحشیانہ کام کرتے ہیں انہیں قانون کی پوری سختی کے

ساتھ سزا دینی چاہئے۔ مزید کوئی ایسی کارروائی امریکہ کی سرزمین پر ہرگز برداشت نہیں کی جانی چاہئے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ ہم کس طرح مستقبل میں اپنے آپ کو ایسی دہشت گردی سے بچا سکتے ہیں!

دنیا میں بڑھتے ہوئے سائنسی علم کی وجہ سے اگلی دہشت گردی اس سے کہیں زیادہ ہلاکت خیز ہوگی جو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ہوئی۔ وہ دہشت گردی صرف دھماکہ کی قسم نہ ہوگی بلکہ جراثیمی یا شعاعی حملہ ہوگا جو خاموشی کے ساتھ کثیر اموات کا باعث بنے گا۔

بری خبر تو یہ ہے کہ حکومت جتنے بلین ڈالر مرضی خرچ کر لے یا جتنے مرضی بم گرا لے یہ ناممکن ہے کہ ہم پوری طرح ان عظیم خطرات سے محفوظ ہوسکیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم جس قدر زیادہ بمباری کریں گے اور تباہی مچائیں گے اس کا نتیجہ مستقبل میں شدید تر دہشت گردی کی صورت میں نکلے گا۔ ہم اس دور سے گزر رہے ہیں جس میں نری فوجی قوتِ بچاؤ نہیں کر سکتی۔ طاقت ور قومیں زیادہ دیر تک کمزور اقوام پر ظالمانہ حملے نہیں کر سکتیں۔ چھوٹی سے چھوٹی قوم یا ملک آسانی کے ساتھ اپنے پر ہونے والے ظلم کا بدلہ لمبی چوڑی دہشت گردی کے ساتھ لے سکتے ہیں۔ کوئی قوم خطرات سے محفوظ نہیں' یہاں تک کہ زمین پر مضبوط ترین قوم بھی۔

جب تک ہم ان دہشت گردی کی کارروائیوں کا سبب معلوم نہیں کریں گے جو کہ ان کے پیچھے اصل محرک ہے ہم مستقبل میں ایسی دہشت گردی کے وقوع کو روک نہیں سکتے۔ ہم امریکیوں کو خود سے سوال کرنا چاہئے کہ ہم اس دہشت گردی کا شکار کیوں ہیں۔ جب دیوار پر لگی ہوئی گھڑی رک جاتی ہے تو ہم معلوم کرتے ہیں کیوں! کیا اس کا پلگ علیحدہ ہو گیا ہے؟ کیا اس کی بیٹری قوت کھو بیٹھی ہے؟ کیا یہ ٹوٹ گئی ہے؟ اگر ٹوٹی ہے تو کیوں؟

جب آپ کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اگر آپ اس کا سبب معلوم نہیں کرتے اور اچھا جواب حاصل نہیں کرتے اور پھر اس کا مداوا نہیں کرتے تو یہ نقص قائم ہی رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہو جائے۔

امریکی ذرائع ابلاغ نے ہمیں امریکیوں پر ایسی خوفناک خونی حملہ کی

تفصیلات مہیا کی ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے لیکن یہودیوں کے زیر اثر ذرائع ابلاغ ابھی تک قابل فہم سبب بتانے سے پوری احتیاط کے ساتھ گریز کرر ہے ہیں کہ کیوں یہ حملہ ہوا۔

حملہ آوروں کو بزدل کہنا یقیناً صحیح نہیں۔ دہشت گردوں نے نا قابل بیان حد تک خوفناک اور سنگ دلانہ کارروائی امریکی قوم کے خلاف کی ہے لیکن یقیناً وہ بزدل نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے خودکش حملہ آوروں کا اقدام صحیح نہ ہومگر کسی مقصد کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کرنا ہرگز بزدلی نہیں اور حملہ آوروں کو بزدل یا پاگل کہنا اس سوال کا جواب نہیں ہے کہ یہ مہلک کارروائی کیوں ہوئی۔ ورنہ تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہر بزدل اور پاگل ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گان کو جلا کر راکھ کرسکتا ہے۔

یہ تفصیلات لوگوں کو ان وجوہات کا پتہ لگانے سے باز رکھتی ہیں کہ یہ واقعہ حقیقتاً کیوں پیش آیا۔ اور اگر ہم مستقبل میں ایسے واقعات سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ ہم اس کا صحیح سبب معلوم کریں۔

پہلا پوچھنے والا مناسب سوال تو یہ ہے کہ جنونی اور بزدل عرب' سوئٹزرلینڈ اور سویڈن پر حملہ آور کیوں نہیں ہوتے! وہ ممالک کیا کرتے ہیں یا کیا نہیں کرتے جس کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہا جاتا اور ہمیں ہی نشانہ بنایا جاتا ہے۔

میری تلخ نوائی پر معاف کیجئے گا۔

اس دہشت گردی کی بنیادی وجہ ہمارا اسرائیل کے مجرمانہ کردار میں ملوث ہونا اور اس کی مدد کرنا ہے۔

دہشت کا جواب دہشت

فلسطینی اور ان کے بہت سے دوسرے عرب حلیف نصف صدی سے اسرائیل کی وحشیانہ دہشت گردی کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۰ء کے آخری سالوں میں یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کرلیا۔ سات لاکھ افراد کو کھلی دہشت گردی کرتے ہوئے ان کے گھروں سے نکال دیا۔ ان واقعات میں سے ہی ایک واقعہ دیریسن (Deir Yassin) کے مقام پر ۲۵۴ فلسطینیوں کا سفاکانہ قتل عام تھا جس میں زیادہ تر بوڑھے ... خونریزی ایک بہت بڑی کمینہ پروری اور سفاکی کی علامت تھی جس کا

ارتکاب یہودیوں نے کیا۔ اس خونریزی میں حاملہ خواتین کے پیٹ بھی کاٹے گئے۔(1) اس خونریزی کے بعد قاتلوں نے اس واقعے کو حصولِ مقصد کے لئے عام بھی کیا تا کہ لوگ خوفزدہ ہوکر اپنے مکانوں سے نکل جائیں اور کاروبار چھوڑ جائیں۔ ایسے لوگوں کو ابھی تک واپس اپنے گھروں میں نہیں آنے دیا گیا۔

سابق اسرائیلی وزیر اعظم میناچم بیگن نے جو کہ اس خوفناک خونریزی میں شامل تھا' فخریہ انداز میں اپنی کتاب The Revolt میں درج کرکے اسے اہم واقعہ قرار دیا ہے۔ The Story of Irgun (ارجن کی کہانی) میں اس نے لکھا ہے کہ دیریسن کی فتح کے بغیر اسرائیل کی ریاست کا وجود بے معنی ہے۔ ہاگانہ (The Hagana) نے دوسرے محاذوں پر بھی فاتحانہ حملے جاری رکھے۔ اس خوفزدگی میں عرب چیختے چلاتے دیریسن سے بھاگ گئے۔(2)

یہودی ریاست قائم ہوگئی مگر قتل عام پھر بھی بند نہ ہوا۔ یہ حملے امن اور جنگ دونوں حالتوں میں جاری رہے۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: شرافت قتل عام' کیبیا قتل عام' کفر قاسم قتل عام' السموقتل عام' سبرا اور شٹیلا قتل عام' اویون قارہ قتل عام' الاقصیٰ مسجد قتل عام' مسجد ابراہیم قتل عام اور جبلیہ قتل عام۔(3)

عربوں کو بھگانے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے اسرائیل نے فلسطین کے ان باشندوں کو جو وہاں پیدا ہوئے اور جن کے خاندان نسل درنسل وہاں آباد رہے' اپنے گھروں میں واپس آنے سے روک دیا۔ ساتھ ہی ساتھ متعصب یہودیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی جو کبھی فلسطین میں نہ رہے تھے کہ وہ دنیا کے دُوردراز کونوں سے فلسطین آ جائیں۔

برطانیہ کو بھی اسرائیلی دہشت گردی سے بہت نقصان پہنچا' مثال کے طور پر یروشلم میں کنگ ڈیوڈ ہوٹل پر وحشیانہ بمباری۔

اگرچہ اسرائیل کے پاس دنیا کی کسی بھی دوسری قوم کی نسبت زیادہ قیدی ہیں (سٹالن کے روس سے بھی زیادہ یا سرخ چین سے بھی تاریخ کے بدترین دور میں) تاہم اس نے دہشت گردی ختم نہیں کی۔ وہ بدستور اپنے فلسطینی قیدیوں کو عقوبت کا نشانہ بنا رہا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جدید دنیا میں یہ واحد قوم ہے جو قانونی طور پر تشدد کی اجازت دیتی ہے۔

درحقیقت اسرائیل میں ایک انسانی حقوق کے گروپ نے ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ میں اس بات کی تائید کی ہے کہ ۸۵ فیصد فلسطینیوں کو جیل میں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ (4) یہاں تک کہ نیویارک ٹائمز کے ایک آرٹیکل میں جسے ایک یہودی جوئیل گرین برگ (Joel Green Burg) نے لکھا ہے' بیان کیا گیا ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر مہینہ ۵۰۰ سے ۶۰۰ فلسطینیوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ (5)

اسرائیل نے ہزاروں فلسطینی راہنماؤں کو نشانہ بنایا ہے اور موت کے گھاٹ اتارا ہے جن میں علماء' مذہبی راہنما' تاجر' فلاسفر' شاعر اور وہ لوگ شامل تھے جو فلسطینیوں کے جذبۂ حب الوطنی کو ابھارتے تھے۔ یہ قتل و غارت تمام دنیا میں ہوئی یہاں تک کہ امریکہ میں بھی۔ اس عمل میں انہوں نے ہزاروں عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ انہوں نے بار بار فلسطینی مہاجروں کے کیمپوں پر حملے کئے جو عورتوں اور بچوں کے ساتھ بھرے پڑے تھے۔ نہ صرف انہوں نے فلسطینی سرزمین پر اسرائیلی ریاست قائم کی (۱۹۴۸ء میں فلسطین کے ۸۰ فیصد حصہ پر فلسطینیوں کا قبضہ تھا) بلکہ یہودیوں نے فلسطینیوں کی تمام ذاتی جائیداد' زمین' فارم' گھر اور کاروبار چھین لئے۔ بعد ازاں انہوں نے فلسطینی مہاجرین کو نکال باہر کیا اور ان کی واپسی کا امکان ختم کر دیا۔ انہوں نے ''متروکہ املاک'' کا قانون پاس کیا جس سے فلسطینیوں کی جائیداد پر قبضہ کر لیا گیا اور وہ یہودیوں کو دے دی گئی۔ اس قانون میں یہ شق بھی رکھی گئی کہ فلسطینیوں کی اس طرح قبضہ کی گئی زمین کبھی بھی کسی فلسطینی کو بیچی نہ جاسکے گی۔ (6)

۱۹۸۲ء میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا۔ ان کے حملے اور ۱۸ سالہ قبضے کے دوران چالیس ہزار شہری مارے گئے۔ اسرائیل نے حملوں کے دوران لبنان کی شہری آبادی' دیہاتوں' بہت سے ہسپتالوں اور یتیم خانوں پر بمباری کی (جیسا کہ ناروے ریڈ کراس نے ظاہر کیا) اور بیروت جیسے قدیم اور خوبصورت شہر کو برباد کر کے رکھ دیا۔

اسرائیل کا موجودہ وزیراعظم ایریل شیرون بلجیم اور نیدرلینڈ میں قدم نہیں رکھ سکتا' اس خوف کی وجہ سے کہ جنگی جرائم کی عالمی عدالت میں اس پر فرد جرم لگ جائے گی۔ شیرون لبنان کے سبرا اور شتیلا کیمپوں کے دو ہزار مہاجرین کے قتل کا ذمہ دار ہے۔

اسرائیل نے جزیرہ نما سنائی پر لیبیا کا ایک مسافر بردار جہاز مار گرایا جس سے

ایک سوگیارہ افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ اور یہ صرف فلسطینی ہی نہیں جو اسرائیلی دہشت گردی کا نشانہ بن رہے ہیں۔

امریکہ کے خلاف یہودی دہشت گردی

امریکہ بھی یہودی دہشت گردی کا نشانہ بن چکا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسرائیل امریکہ کے خلاف کئی مرتبہ جنگی کارروائیاں کر چکا ہے۔ (7)

اسرائیل نے امریکہ کے خلاف ۱۹۵۴ء سے دہشت گردی کی جو لمبی کارروائیاں کی ہیں وہ ریکارڈ پر موجود ہیں۔ اسی سال اسرائیلی حکومت نے سازش کی کہ قاہرہ' سکندریہ میں امریکی تنصیبات کو اڑا دیا جائے اور اس کا الزام مصر پر ڈال دیا جائے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ سازش ناکام ہوگئی اور راز کھل گیا۔ یہ سازش اسرائیلی ناظمِ دفاع پنہاس لیون نے تیار کی تھی اس لئے اس کا نام اس کے نام پر Laven Affair مشہور رہا۔ لیون اسی واقعے پر ۱۹۵۵ء میں مستعفی ہوگیا۔

۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے سوچی سمجھی سکیم کے تحت غیر نشان زدہ لڑاکا جیٹ طیاروں اور تارپیڈو کشتیوں کے ذریعے جزیرہ نما سنائی کے یو ایس ایس لبرٹی نامی بحری جہاز کو نشانہ بنایا اور جہاز میں نصب لائف رافٹ پر مشین گنوں سے فائرنگ کی۔ اس واقعے میں ۱۳۱ امریکی ملازمین مارے گئے اور ۱۷۰ سے زیادہ زخمی ہوئے۔ (8) وہ جہاز کو ڈبو کر تمام امریکیوں کو مارنا اور اس کا الزام مصریوں پر لگانا چاہتے تھے تاکہ انہیں عرب دنیا کے زیادہ بڑے علاقے فتح کرنے کے لئے امریکہ کی حمایت حاصل ہو سکے۔

لبرٹی جہاز پر حملہ امریکہ کے خلاف اسرائیل کی کوئی چھوٹی سی جنگی کارروائی نہ تھی۔ باوجودیکہ امریکہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ ڈین رسک اور بحری فوج کے چیف ایڈمرل مورر نے کہا کہ لبرٹی پر حملہ واضح طور پر اسرائیل نے کیا ہے' طاقتور یہودی لابی نے کانگریس کے تحت باضابطہ تفتیش نہ ہونے دی۔ اگر یہودی لابی امریکہ کے خلاف بدترین اسرائیلی جرائم کو روک سکتی ہے تو وہ فلسطینیوں کے خلاف بے شمار جرائم پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ لبرٹی پر حملے کے بعد بھی امریکہ نے اسرائیل کو دی جانے والی کئی بلین ڈالر کی امداد میں کوئی کمی نہیں کی۔

۱۹۸۶ء میں درحقیقت اسرائیل نے امریکہ کو غلط طور پر ایک دوسرے ملک کے خلاف جنگی کارروائی پر آمادہ کرلیا۔ موساد نے تریپولی (لیبیا) میں ایک ٹرانسمیٹر نصب کر دیا اور لیبیا میں دہشت گردی کے پیغامات لیبیا کے کوڈ میں نشر کرنے شروع کر دیئے جس میں جرمنی کی خوبصورت شبینہ کلب پر بمباری میں دو امریکیوں کے مارے جانے کی ذمہ داری لیبیا پر ڈال دی۔(۵) (بعد میں ثابت ہو گیا کہ بمباری میں لیبیا کا کوئی ہاتھ نہ تھا) اس فراڈ کے ذریعے اسرائیل نے امریکہ کو لیبیا پر بمباری کرنے پر اکسایا۔ امریکی بمباری نے وہاں شدید تباہی مچائی۔ مرنے والوں میں لیبیا کے صدر کی ایک شیر خوار بچی بھی تھی۔ یقیناً یہ ایک ایسی قوم پر تباہ کن جنگی کارروائی تھی جس کے خلاف ایک دوسری قوم کو غلط طور پر ابھارا گیا تھا۔ ایسا کام صرف امریکہ کا کوئی بدترین دشمن ہی کر سکتا ہے۔

ہر فلسطینی اور عرب جانتا ہے کہ نصف صدی پر محیط اسرائیل کی دہشت گردی کے یہ واقعات امریکہ کی بھرپور مالی' فوجی اور سفارتی مدد کے بغیر ممکن نہیں تھے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہودی لابی کو امریکہ کی مشرقِ وسطیٰ کی پالیسی پر پورا کنٹرول حاصل ہے اور یہودی کانگریس سے اپنے حق میں تمام اہم مسائل پر من بھاتی حمایت حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۹۸۰ء کے عشرے میں اسرائیل کا لبنان پر وحشیانہ حملہ اور پھر قبضہ صرف امریکہ کی حمایت کی وجہ سے تھا جو براہِ راست امریکی بحری بیڑے پر حملہ کا باعث بنا جس میں ۳۰۰ امریکی نوجوان مارے گئے۔

اسرائیلی جرائم میں امریکہ کا حصہ

عرب جانتے ہیں کہ ہر وہ بم جو ان کے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے' امریکہ کی طرف سے آتا ہے۔ ہر گولی' ہر ٹینک اور ہر جنگی جہاز امریکی ڈالروں سے تیار ہوتا ہے یا خریدا جاتا ہے۔ یہ امریکہ کی کئی بلین ڈالر کی امداد ہے جس نے اسرائیلی ریاست کو اس قابل بنایا ہوا ہے کہ وہ عرب قوم کو نصف صدی سے دہشت گردی کا نشانہ بنا رہی ہے۔

اگرچہ اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا اور ہزاروں شہریوں کو ہلاک کیا' امریکہ نے

اسرائیل اقوام متحدہ کے ریزولیوشن جس میں اسے فوجیں نکالنے کو کہا گیا ہے' کی پابندی کو مسترد کر دے۔ امریکہ نے کویت کے خلاف عراقی حملے پر جس ردعمل کا اظہار کیا اگر اس کا مقابلہ امریکہ کے اس ردعمل سے کیا جائے جو اسرائیل کے لبنان پر حملے میں ہوا تو معاملے کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ امریکہ کی یک طرفہ پالیسی اس مختلف طرز عمل سے واضح ہے جو اس نے اسرائیل اور عراق کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے۔

☆ عراق نے کویت پر حملہ کیا	☆ اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا۔
☆ عراق کے ساتھ ابتدائی جنگ میں ۳۰۰۰ کویتی شہری مارے گئے۔	☆ اسرائیلی حملہ کے ذریعے لبنان پر قبضہ کے دوران وقتاً فوقتاً مرنے والے لبنانیوں کی تعداد ۴۰,۰۰۰ ہے۔
☆ عراق نے اقوام متحدہ کا ریزولیوشن مسترد کر دیا جس میں اسے کویت خالی کرنے کو کہا گیا تھا۔	☆ اسرائیل نے اقوام متحدہ کا ریزولیوشن مسترد کر دیا جس میں اسے لبنان خالی کرنے کو کہا گیا (۱۸ سال تک)
☆ عراق نے کیمیائی' حیاتیاتی اور ایٹمی ہتھیاروں کے معاملہ میں بین الاقوامی پابندیوں کو توڑا۔	☆ اسرائیل کہیں زیادہ مجرم ہے کہ اس کے پاس کیمیائی' حیاتیاتی اور ایٹمی ہتھیاروں کے دنیا کے عظیم ترین سٹوروں میں سے ایک سٹور ہے۔
☆ عراق نے اقوام متحدہ کی انسپکشن کو نہ مانا۔	☆ اسرائیل ہمیشہ سے اقوام متحدہ کی انسپکشن کو مسترد کرتا رہا ہے۔

ان بے ضابطگیوں پر ہم نے عراق پر بمباری کی جبکہ اسرائیل کے جرائم کے باوجود امریکہ نے کئی بلین ڈالر اضافے کے ساتھ اسرائیلی امداد جاری رکھی۔ پہلے بھی اور اب بھی امریکی خارجہ پالیسی اسرائیلی خارجہ پالیسی ہے۔ اگرچہ ہزاروں لبنانی شہری اسرائیلی جنگی کارروائیوں میں مارے گئے تاہم امریکہ نے اسرائیل کو امداد بند کر دینے کی دھمکی تک نہیں دی۔ ایک وقت تھا کہ عراق امریکہ کا دوست تھا جس سے ہم

تیل ،خریدتے تھے اور بہت خرید وفروخت کرتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امریکہ نے ایران ،عراق جنگ میں عراق کی مدد کی تھی۔ عراق نے امریکہ کے خلاف کچھ نہیں کیا لیکن اس نے اسرائیل کا دشمن ہونے کی غلطی کر لی۔ چنانچہ یہودی اور یہودیوں کے زیر نگین سول آفیسر اور یہودیوں کے زیر تسلط ذرائع ابلاغ نے ہمارے سابق دوست صدام حسین کو ہمارا جانی دشمن بنا دیا۔

ہم نے چند ہفتوں میں عراق پر اتنا آتش گیر مادہ پھینکا کہ اتنا ہم نے جنگ عظیم دوم میں بھی نہیں پھینکا تھا۔ ہم نے سینکڑوں ہزار عراقیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جس میں لاکھوں کی تعداد میں وہاں کے بے قصور شہری تھے۔ پھر ہم نے عراق کی ناکہ بندی کر دی اور تجارتی پابندیاں عائد کر دیں جس کے نتیجہ میں عراق مخالف اقوام متحدہ کے بیان کے مطابق، کم از کم بارہ لاکھ بچے اور سینکڑوں ہزار بوڑھے موت کے منہ میں چلے گئے۔ وہ امریکی جو اس حالیہ دہشت گردی کا سبب نہیں جانتے انہیں اس چونکا دینے والی حقیقت پر توجہ دینی چاہیے۔ عراق کے خلاف ہماری پالیسی کے نتیجہ میں ایک بلین دو سو ہزار بچے اب تک ،مر چکے ہیں۔

کچھ امریکی میرے الفاظ کو پڑھ کر ماننے سے انکار کریں گے۔ وہ اس بات کا بھی انکار کریں گے کہ امریکہ نے کسی مقصد کے تحت سینکڑوں ہزار بچوں کو قتل کیا ہے تو نیچے امریکہ کے یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ کے انٹرویو کی نقل ملاحظہ ہو جو اس نے لسلی سٹاہل آف CBS کو ۱۱ مئی ۱۹۹۶ء کو دیا۔ لسلی سٹاہل عراق کے خلاف امریکی پابندیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ''ہم نے سنا ہے کہ نصف ملین بچے مرے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ تعداد ہیروشیما میں مرنے والے بچوں سے زیادہ ہے اور تم اس کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو''۔ میڈلین البرائٹ کہتی ہے ''میں سمجھتی ہوں کہ نسبت قائم کرنا مشکل کام ہے بہر حال جو بھی کیا گیا وہی کرنا چاہیے تھا''۔

اور کچھ امریکی حیران ہوتے ہیں کہ ہم سے اتنی نفرت کیوں کی جاتی ہے

یہودی لابی اور یہود کے زیر اثر ذرائع ابلاغ بڑے محتاط ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ امریکی عراقی جنگ یا فلسطینیوں کے حقیقی مسائل کی اصل وجہ جان سکیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ امریکی اس بات سے واقف ہوں کہ کیوں عرب دنیا کے کروڑوں افراد ان سے

نفرت کرتے ہیں اور کیوں اس تعداد میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ہم حقیقی وجہ جان سکیں کہ ہم سے اتنی نفرت کیوں کی جاتی ہے ـــــ کیونکہ یہ امریکی خارجہ پالیسی کے یہودی صاحبان اقتدار ہیں جو امریکہ کے خلاف اس بڑھتی ہوئی نفرت کے ذمہ دار ہیں۔ ذرا اس غیظ و غضب اور مایوسی کے احساسات کا اندازہ لگائیے جنہوں نے اپنی جانیں قربان کرنا گوارا کیا تاکہ وہ ہم سے بدلہ لے سکیں۔

یہودی کارپردازان جانتے ہیں کہ یہودیوں کی مجرمانہ پالیسیوں کی امریکی حمایت امریکہ کے خلاف نفرت پھیلائے گی۔ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ صرف اسرائیلی مفاد کی خاطر ملکوں کے خلاف جنگ اور بمباری امریکہ کے خلاف جانباز اور فدائین کی قسم کے دشمن پیدا کرے گی جو امریکی خون سے پیاس بجھانا چاہیں گے۔

یقیناً یہ بات امریکہ کے مفاد میں نہیں ہے کہ وہ اسرائیلی مفاد کی خاطر لوگوں کا قتل عام کرے۔ مگر یہودی مفادات ہمیشہ سے بڑے اہم رہے ہیں۔ حقیقت میں وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ نیویارک اور واشنگٹن میں ہونے والی حالیہ ظالمانہ اوراحمقانہ دہشت گردی اسرائیل کی دشمن اقوام کے خلاف شدید امریکی غضب کو بھڑکائے گی اور اس طرح وہ آسانی کے ساتھ امریکیوں سے من چاہی باتیں منوا سکیں گے۔

ان لوگوں کے بارے میں سوچیے جنہوں نے اس دہشت گردی سے فائدہ اٹھایا۔ کیا فلسطینیوں کو فائدہ پہنچا؟ دہشت گردی کی اس کارروائی نے فلسطینیوں کی پیش قدمی روک دی جس سے عالمی رائے ان کے حق میں ہو رہی تھی۔ اس نے دنیا کی نگاہ اسرائیلی دہشت گردی سے ہٹا دی ہے۔ اس طرح یہ صرف اسرائیل ہی ہے جو اس المیے میں کامیاب رہا۔ اب ان کو کھلی اجازت مل گئی ہے کہ وہ فلسطینیوں کے خلاف جو کچھ چاہیں، کریں۔ وہ اپنے کسی بھی دشمن کو قتل کر سکتے ہیں خواہ وہ پُرتشدد ہو یا نہ۔ وہ امریکیوں سے جتنی دولت چاہیں لیں گے اور کوئی بھی فلسطین کے خلاف ان کے مستقبل کے ظلم، قتل و غارت، انسانی حقوق کی پامالی کی طرف دھیان نہیں دے گا۔

نہیں، یہ صرف یہودی ہی ہیں جو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے دن ہونے والی خوفناک ترین دہشت گردی کا فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ یہ محض طنز نہیں ہے کہ اگرچہ یہودیوں کی مجرمانہ کارروائیوں کے نتیجہ میں یہ دہشت واقع ہوئی تاہم اس کا مفاد صرف یہودیوں کو

ملے گا۔ یقیناً جس وجہ سے وہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ مکمل طور پر اِن کے ہاتھوں میں ہیں۔(10) اور یہ بات کبھی یہ سوال پوچھنے نہیں دے گی کہ اس طرح کے وحشیانہ کام کیوں ہو رہے ہیں۔ بد قسمتی سے صرف وہ معدودے چند افراد ہی میری طرح کی آواز پر کان دھریں گے جو یہودی جھوٹ کو چیلنج کرنے کی جرأت رکھتے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اس مصیبت سے دوچار ہیں کیونکہ ایک خارجی قوت امریکی حکومت میں انتہائی بااختیار لابی بن چکی ہے اور وہ امریکہ میں ذرائع ابلاغ کی سمت کا تعین کرتی ہے۔

میں اس بات کو ایک دفعہ اور دہراؤں گا۔ امریکہ میں آج ہم جس دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی مکمل طور پر ایک خارجی طاقت اسرائیل اور یہودیت کے عالمی تفوق کے زیرِاثر ہے۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگان پر حملے کے بعد امریکی پرچم امریکہ میں ہر جگہ لہرا رہے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے کیونکہ ہمیں زیادہ سے زیادہ محبِ وطن ہونا چاہئے۔ اگر ہم اسرائیل کی بجائے امریکہ کے حقیقی مفادات کے لئے زیادہ محبِ وطن ہوتے تو ہم اس دہشت گردی کا شکار نہ ہوتے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس سے زیادہ حبّ الوطنی اور کیا ہوگی کہ ہم اپنے ملک کی باگ ڈور اپنے لوگوں یعنی امریکیوں کے ہاتھ میں دیں نہ کہ کسی خارجی طاقت یا مضبوط اقلیت کے ہاتھوں میں۔

ہاں، ہمیں کسی بھی دہشت گرد کے خلاف بے جگری سے لڑنا چاہئے جو ہمارے ملک پر حملہ آور ہو لیکن ہمیں یہ دھیان رکھنا ہوگا کہ یہ دہشت گردی کیوں ہو رہی ہے اور یہ کیوں بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ یہ امریکہ اور اس کے باشندوں کے خلاف ایک طویل سازش کی وجہ سے ہے۔

امریکی لوگوں کو یہودیت کی کیا قیمت دینی پڑ رہی ہے؟

امریکہ کو یہودی لابی اور ذرائع ابلاغ کی سالانہ چھ بلین ڈالر قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے، امداد کے طور پر اور ہتھیاروں کی صورت میں۔ یہ امداد پچھلے پچاس سالوں کے دوران بیرونی ممالک کو دی جانے والی رقم کا ایک تہائی ہے اور اتنی ہی رقم امریکہ کی منشیات کے خلاف جنگ میں خرچ ہو رہی ہے۔

اس پالیسی نے مشرقِ وسطیٰ کے تیل پیدا کرنے والے ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات کو خراب کر دیا ہے۔ ہماری پالیسیوں کے جواب میں عرب اکٹھے ہو رہے ہیں اور انہوں نے تیل کو بطور ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا ہے جس کے نتیجہ میں امریکہ کو تیل کی قیمت ۱۰ ٹریلین ڈالرز زیادہ دینی پڑ رہی ہے۔

اس نے تمام عرب دنیا کو قریب تر کر دیا ہے جس کے نتیجہ میں ان ممالک میں امریکہ کی اربوں ڈالر کی پراپرٹی یا تو تباہ ہو رہی ہے یا ضبط ہو گئی ہے۔ امریکی شہریوں کو اغوا کیا جا رہا ہے اور ان کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو رہی ہے۔

اسرائیل نے ہماری سپورٹ کی کیا قیمت ادا کی ہے؟ وہ لگاتار ہماری جاسوسی کر رہے ہیں (مثلاً جوناتھن پولارڈ کیس)' ہمارے اہم ترین راز بیچ رہے ہیں (جیسا کہ امریکہ کو عظیم ترین ایٹمی دھمکی دنیا میں: خصوصاً کمیونسٹ چینیوں کی طرف سے)[11] اور ہمارا قیمتی یورینیم اپنے ناجائز ایٹمی ہتھیاروں کے لئے چوری کر رہے ہیں۔ [12]

انہوں نے امریکہ کے خلاف دہشت گردی کے حملے بھی کئے ہیں مثلاً لیون افیئر اور یو ایس ایس لبرٹی پر حملہ۔ یہ دونوں کارروائیاں کسی بھی لحاظ سے امریکہ کے خلاف جنگ سے ذرا بھی کم تر نہ تھیں۔ امریکہ کو جھوٹی اطلاعات پہنچا کر اسے غلط طور پر کسی دوسرے ملک پر حملہ کرنے پر آمادہ کرنا کسی صورت بھی امریکہ کے خلاف اسرائیلی اقدام سے کم نہیں۔ تاہم امریکہ کے خلاف ان قابل نفرت کارروائیوں کے جواب میں ہمارے یہودیوں کے زیر اثر راہنماؤں نے امریکہ کی طرف سے اسرائیل کو دی جانے والی کروڑوں ڈالر کی مالی اور فوجی امداد میں کوئی کمی نہیں کی۔ ہم اسرائیل کو ہر سال تقریباً چھ بلین ڈالر امداد دیتے ہیں جو کہ تمام افریقی ممالک' جزائر غرب الہند اور جنوبی امریکہ کو دی جانے والی امداد سے زیادہ ہے۔

یہودیت کی ان مجرمانہ کارروائیوں کے سامنے ہمارے گھٹنے ٹیک دینے کی تازہ ترین قیمت کیا ہے؟ تازہ ترین قیمت جو ہم نے دی ہے وہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کی وحشیانہ دہشت گردی ہے۔

امریکی ذرائع ابلاغ اور حکومت میں اسرائیل کے طاقتور ایجنٹ امریکہ کے خلاف اس دہشت گردی کے اصل ذمہ دار ہیں' بالکل ایسے ہی جیسے کہ انہوں نے خود

ان جہازوں کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گان کے ساتھ ٹکرایا ہو۔ اور اب وہ ڈھٹائی کے ساتھ ایسی تدبیر کر رہے ہیں کہ وہ اس دہشت گردی کے ذریعے جو انہوں نے خود تیار کی ہے' اسرائیل کے دشمنوں کے خلاف تشدد کا ایک سلسلہ بھڑکا دیں۔ آپ کو یقین ہو گا کہ یہودی طاقتیں ان کارروائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو محض سزا دینے کو کافی نہیں سمجھیں گی۔ امریکہ ایک دفعہ پھر ہر اُس ملک سے ٹکرلے گا جس سے اسرائیل چاہے گا۔

امریکہ کی طرف سے نامعقول اور غیر محتاط ردعمل بالآخر امریکہ کے خلاف زیادہ نفرت کو جنم دے گا اور امریکیوں کے سروں پر مزید دہشت گردی لائے گا۔ بڑھتی ہوئی نفرت کا سلسلہ ہی یہودیت کی خواہش ہے کیونکہ ان کی خواہش تو یہ ہے کہ ہم ان کی خاطر اسرائیل کے دشمنوں کے ساتھ لڑیں تا کہ ان کے خون کی بجائے ہمارا خون بہے۔ صرف یہی وہ لوگ ہیں جو امریکہ کے درد سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اسرائیل نہیں بلکہ انجام کار نتائج ہم ہی کو بھگتنا ہوں گے۔

دہشت گردی کا جواب دہشت گردی

امریکی ذرائع ابلاغ اور حکومت چیخ رہے ہیں کہ امریکہ کے نئے تجویز کردہ دشمنوں پر وسیع پیمانے پر تباہی پھیلائی جائے۔ CBS اور CNN کے حالیہ سروے کے مطابق ۶۰ سے ۷۰ فیصد امریکی مشکوک دہشت گردوں کے خلاف جنگی کارروائی چاہتے ہیں۔ وہ ان کارروائیوں کی تائید کرتے ہیں (اور میں مختصراً سروے کا سوال تجویز کرتا ہوں) ''اگر چہ اس سے ہزاروں بے گناہ لوگ موت کے منہ میں چلے جائیں؟'' اس سے میرے دل کو تکلیف بھی ہے کہ امریکیوں کی اکثریت بے گناہ انسانی زندگیوں کے بارے میں وہی نظریہ رکھتی ہے جیسا کہ ۱۱ ستمبر کے دہشت گردوں کا تھا۔

جہاں تک میں نے سنا ہے کسی بڑے داعیٔ اخلاق' صدرِ امریکہ' ہمارے چرچ کا لیڈر یا کوئی اور معقول شخص ایسا نہیں ہے جس نے اس شرمناک اخلاقی منافقت کا پردہ چاک کیا ہو۔

چنانچہ اب ہم دہشت گردی کے خلاف لڑنے چلے ہیں۔ جب امریکہ نکلے گا اور ایسی بمباری کرے گا جس سے بلا امتیاز ہزاروں بے گناہ مریں تو کیا ہو گا؟ کیا اس طرح ہم واقعی دہشت گردی کی دھمکی ختم کر لیں گے۔ ایسی کارروائی امریکہ پہلے

بھی کر چکا ہے۔ آؤ ہم جائزہ لیں کہ ہمارے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے۔

جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا کہ ۱۹۸۶ء میں اسرائیلیوں نے امریکہ کو لیبیا کے خلاف جھوٹی شہادتیں فراہم کیں اور ہمیں لیبیا پر حملے کے لئے اُکسایا۔ ہم نے دہشت گردی کے خلاف اقدام کے طور پر ایک ایسے ملک پر بمباری کی جس نے یہ جرم نہیں کیا تھا۔ اس بمباری کے ایک سال بعد لیبیا کے ایک انتہا پسند گروپ کے چند افراد نے انتقام لیتے ہوئے سکاٹ لینڈ پر ایک امریکی طیارے کو بم کا نشانہ بنایا جو تاریخ کی بدترین فضائی تباہی تھی اور جس میں ۲۷۰ آدمی مارے گئے۔ ہمیں ہماری کارروائی کا جواب مل گیا جو انہوں نے خودکش بم گرانے والوں کے ذریعے کی۔

کوئی ایسا راستہ نہیں جو ہمیں مکمل طور پر اس قسم کے واقعات سے محفوظ رکھ سکے یہاں تک کہ ایک جنونی آدمی جو خودکشی پر آمادہ ہو وہ آسانی کے ساتھ معمولی سے دھماکہ خیز مواد کے ذریعے جو کہ پکڑا بھی نہیں جا سکتا' ایک طیارے کو تباہ کر سکتا ہے۔ ہم اس دور میں رہ رہے ہیں جس میں کہ مہلک حیاتیاتی ایجنٹ جن کے ذریعے وسیع پیمانے پر تباہی مچائی جا سکتی ہے' کسی عمارت کے بیسمنٹ میں رکھے جا سکتے ہیں۔ امریکہ کو چوکنا ہو جانا چاہئے کیونکہ اگلی دہشت گردی کا ارتکاب صرف ایک آدمی کر سکے گا اور لاکھوں آدمیوں کو قتل کر دے گا۔ فوجی کارروائی کا اندھا دھند استعمال کسی قوم کو لمبے عرصہ تک محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

کیا کسی شخص کو دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی آخری جنگ یاد ہے؟ کلنٹن نے وعدہ کیا تھا کہ وہ افغانستان پر اور سوڈان میں ایک دواساز ادارے پر بمباری کرے گا۔ ان حملوں کا پروگرام ان نازک دنوں بنایا گیا جب مونیکا سکینڈل عام ہو رہا تھا۔ وہ بن لادن کو قتل کرنے میں ناکام رہے لیکن انہوں نے افغانستان کے لوگوں کے قتل اور تباہی پر طالبان کو امریکہ کے خلاف خونی انتقام پر ابھارا۔ ۱۱ر ستمبر کے واقعات دہشت گردی کے خلاف جنگ کے براہ راست نتائج ہو سکتے ہیں۔ میں یہاں اپنی بات دہراتا ہوں۔ ہم نے اپنے بی ون بمبار طیارے بھیجے اور انہوں نے خودکش طیارے بھیجے۔ اور اب بھی اگر ٹھنڈے دل سے نہ سوچا گیا تو ہم دہشت گردی کے خلاف ایک اور جنگ شروع کرنے والے ہیں جس سے ہزاروں بے گناہ لوگ مارے جائیں گے اور جو تشدد کے سلسلہ کو تیز تر کر دے گی۔

زخموں کا علاج کرواور امریکہ کی خیر خواہی کو مقدم جانو

جب تک ہم زخموں کا علاج نہیں کرتے اور امریکہ کو ایک بہتر راستے پر نہیں ڈالتے ہر نیا میزائل اور بم جو ہم پھینک رہے ہیں وہ دوبارہ ہمارے اوپر آئے گا۔ خون کا ہر قطرہ جو ہم دوسرے ملکوں کی سرزمین پر گرائیں گے اس کے نتیجہ میں زیادہ امریکیوں کا خون ملک میں اور بیرون ملک ضائع ہوگا۔ امریکہ بیش از بیش غیر یقینی صورت حال اور خوف کے سمندر میں ڈوبے گا۔

۱۱ رستمبر کے واقعات کے بعد جان موسیٰ نے جس کی بیٹی لاکر بی کے طیارے کے حادثہ میں مرگئی تھی، وزیر اعظم برطانیہ ٹونی بلیئر کو خط لکھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ۲۷۰ افراد جو ۱۹۸۸ء کی بمباری میں مارے گئے وہ عرب دنیا کے خلاف امریکہ کی جارحانہ پالیسیوں کا نتیجہ تھا۔ اس نے خبردار کیا ''انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ جو پالیسی بھی انجام کار اپنائی جائے وہ کامیاب ہو اور اس سے بے گناہ لوگ نہ مارے جائیں تاکہ دہشت گردی کا دوسرا سلسلہ شروع نہ ہو جائے''۔(13)

اب ہمیں ٹھنڈے دل سے سوچنا ہوگا اور تشدد کے اس سلسلہ کو ختم کرنا ہوگا۔ آؤ ہم ان واقعات میں نشانہ بننے والے امریکیوں اور ان کے غمزدہ خاندانوں کے لئے دعا کریں اور ان واقعات کا ارتکاب کرنے والوں کا انتہائی مثبت انداز میں پیچھا کریں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہم ان واقعات کے اسباب جانیں اور یہ معلوم کریں کہ ہم اپنی قوم کے خلاف نفرت کو کیسے ختم کر سکتے ہیں۔ ہماری گورنمنٹ میں بہت سے غدار موجود ہیں جو امریکیوں کے حقیقی مفادات کی بجائے یہودیوں کی مجرمانہ کارروائیوں کی تائید کرتے ہیں۔ وہی نفرت پھیلا کر ایسی خوفناک کارروائیوں کا سبب بن رہے ہیں۔ جب تک ایسے لوگوں کو بے اختیار نہیں کیا جاتا اس وقت تک امریکیوں پر پہلے سے زیادہ دہشت گردی مسلط رہے گی۔

جب ایک دفعہ ہم سبب جان گئے تو پھر ہم سب اس یقینی راستے کو اختیار کرنے پر اتفاق کرلیں گے جس کے ذریعے مستقبل میں اس قسم کی دہشت گردی سے محفوظ رہا جا سکے۔ اس بڑے مسئلے کا حل انتہائی واضح اور بہت سادہ ہے۔ امریکہ کو چاہئے کہ اپنے بابائے سرزمین کے الوداعی خطاب کے الفاظ پر غور کرے یعنی:

''دوسرے ممالک کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرو''۔
اورآخری بات کے طور پر ہمیں ہمیشہ امریکہ اورامریکی عوام کواولیت دینی چاہئے۔

حواشی

1 *De Reynier.J(1950). Chief Representative of the International Committee of the Red Cross in Jerusalem. (A Jerusalem Un Drapeau Flottait Sur La Ligne De Feu', Geneva.*

2 *Begin, M. (1964). The Revolt: The Story Of the Irgun. Tel-Aviv: Hadar Pub.p.162.*

3. *Erlich,G. (1992). Not Only Deir Yassin. Hebrew Daily Ha`ir. May 6.*

4. *Sami Sockol, Moshe Reinfeld (1998) May 20. the Israeli daily, Ha`aretz*

5. *Joel Greenberg (1993) Israel Rethinks Interrogation of Arabs Aug. 14 New York Times.*

6. *Badi, J. (1960). Fundamental Laws Of the State Of Israel. New York p.156.*

7. *Bar-Joseph, Uri (1995) Intelligence Intervention in the Politics Of Democratic States: The United States, Israel and Britain University Park. PA: Penn State Press,*

8. *Ennes,J. (1979) Assault On The Liberty, New York: Random House.*

9. *Ostrovsky, Victor, (1995) The Other Side of Deception: A Rogue Agent Exposes the Mossad's Secret Agenda. New York: Harper*

10. *See the Chapter on media control in my book, My Awakening . Also available online at Davidduke.com*

11. *Bill Gertz (1993) Washington Times and Michael R. Gordon, New York Times Oct.13.*

12. *A & L Cockburn (1991) Dangerous Liaison*

13. *The Sunday Mail (2001) Sept.*

توضیح و تنقیح

’’پاکستانی معاشرے کی نئی دوقطبی تقسیم‘‘: چند وضاحتیں

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک تحریر ’’پاکستانی معاشرے کی نئی دوقطبی تقسیم: اسلامی انقلاب کی تمہید‘‘ ستمبر کے آخری ہفتے میں ملک کے نمایاں قومی روزناموں میں شائع ہوئی۔ اس تحریر کو عوامی و علمی حلقوں میں کافی سراہا گیا۔ ’’میثاق‘‘ اکتوبر میں بھی یہ تحریر شائع ہو چکی ہے۔ اس تحریر پر معروف کالم نگار جناب عبداللہ ملک کا ایک تنقیدی کالم نوائے وقت کی ۵؍اکتوبر کی اشاعت میں ادارتی صفحے پر شائع ہوا۔ بعدازاں صوبائی وزیر بلدیات و دیہی ترقی بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر نے بھی امیر تنظیم اسلامی کی اس تحریر کو اپنے ایک مضمون میں ہدفِ تنقید بنایا جو ۱۳ اور ۱۴؍اکتوبر کو بالترتیب روزنامہ ’’انصاف‘‘ اور روزنامہ ’’پاکستان‘‘ میں شائع ہوا۔ ان دونوں حضرات کے جواب میں محترم ڈاکٹر صاحب کی لکھی گئی تحریر ذیل میں ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے جو قومی اخبارات کو بغرض اشاعت بھجوائی گئی۔ (ادارہ)

نوائے وقت کی ۲۷؍ستمبر کی اشاعت میں میری ایک مختصر سی تحریر درج بالا عنوان کے تحت شائع ہوئی تھی۔ جس کی غیر معمولی پذیرائی اولاً تو مثبت انداز میں اس طور سے ہوئی کہ لاہور کے مزید تین اردو روزناموں نے بھی اسے شائع کیا‘ مزید برآں پشاور کے دو انگریزی روزناموں نے اس کا ترجمہ شائع کیا اور ان پر مستزاد بعض دینی جرائد نے بھی اسے شاملِ اشاعت کیا۔ اور ثانیاً منفی انداز میں اس پر ایک جانب ملک کے بزرگ اور معروف دانشور جناب عبداللہ ملک نے ایک استہزائیہ کالم تبصرہ کے طور پر سپردِ قلم کیا جو نوائے وقت کی ۵؍اکتوبر کی اشاعت میں شائع ہوا اور دوسری جانب پنجاب کے صوبائی وزیر بلدیات بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر صاحب نے بھی اظہارِ خیال فرمایا۔ جو دو روزناموں (نوائے وقت نہیں!) میں شائع ہوا۔

مجھے زیادہ دلچسپی عبداللہ ملک اور ان کے استہزائیہ تبصرے سے ہے۔ اس لئے کہ ان کا تعلق اس بائیں بازو سے رہا ہے (اور غالباً اب بھی ہے!) جو پاکستان میں کمیونسٹ انقلاب کے لئے کوشاں رہا ہے ——— اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی مجھ سے اس

درجہ ضرور واقف ہیں کہ میں اس سلطنت خداداد پاکستان میں پینتیس سال سے اسلامی انقلاب کے لئے سعی و جہد کر رہا ہوں (اگرچہ اس میں مجھے تا حال کوئی محسوس کامیابی حاصل نہیں ہوئی!) —— یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ۱۹۶۷ء میں جبکہ ابھی ذوالفقار علی بھٹو مرحوم پاکستانی سیاست کے اکھاڑے میں نہیں اترے تھے لاہور میں بائیں بازو کے چند دانشوروں نے ایک cell منظّم کیا تھا کہ جنرل ایوب خان کی آمریت کے طول نے ملک کی فضا میں جو سیاسی حبس پیدا کر دیا ہے اس کے خاتمے کے لئے کوشش کا آغاز کیا جائے —— اس سیل کے کنوینر تو ڈاکٹر مبشر حسن صاحب تھے' لیکن اس میں شامل لوگوں میں نمایاں نام جناب عبد اللہ ملک اور جناب حنیف رامے کے تھے۔ ان دنوں ڈاکٹر مبشر حسن دو مرتبہ کرشن نگر لاہور میں واقع میرے غریب خانے پر تشریف لائے تھے اور مجھے بھی اس سیل میں شرکت کی دعوت دی تھی کہ تم فعال طالب علم رہنما رہے ہو لہٰذا ہماری خواہش ہے کہ ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں تحقیق احوال کے لئے اس سیل کے ایک اجلاس میں بھی شریک ہوا تھا جو ڈاکٹر مبشر حسن صاحب کی گلبرگ میں واقع کوٹھی کے خوبصورت لان میں منعقد ہوا تھا —— اور جس میں عبد اللہ ملک صاحب بھی شریک تھے —— اور اگرچہ میں نے بالآخر ڈاکٹر صاحب سے یہ عرض کر کے معذرت کر لی تھی کہ میں تو اپنی زندگی کو منہاج محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے لئے وقف کر چکا ہوں اور اب میرے لئے کسی اور دائیں یا بائیں جانب دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ اور میرا گمان غالب ہے ڈاکٹر صاحب نے یہ بات اپنے پورے سیل تک لازماً پہنچائی ہو گی۔ (بعد میں بھٹو مرحوم پاکستانی سیاست کے افق پر اپنی انفرادی حیثیت میں طلوع ہوئے تو اس سیل نے ان کے ساتھ شمولیت اختیار کر کے پاکستان پیپلز پارٹی کی تاسیس میں حصہ لیا۔)

پھر ۱۹۸۵ء میں میری تالیف ''استحکامِ پاکستان'' شائع ہوئی تو اس کے موضوع پر ہم نے ایک سیمینار جناح ہال لاہور میں منعقد کیا تھا جس میں عبد اللہ ملک صاحب نے بھی خطاب فرمایا تھا اور میری اس تالیف کے جملہ مباحث کا حاصل یہی تھا کہ پاکستان

کے استحکام ہی نہیں بقا تک کا دار و مدار اسلامی انقلاب پر ہے۔

یہ ساری تفصیل اس لئے عرض کی گئی ہے کہ عبد اللہ ملک صاحب اچھی طرح واقف ہیں کہ ''مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی۔ میں اسی لئے مسلماں' میں اسی لئے نمازی!'' کے مصداق میں پاکستان میں اسلامی انقلاب کا داعی ہوں۔ اس پس منظر میں کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے کہ انہوں نے پاکستانی معاشرہ میں افغانستان کے ایشو پر ہونے والی جس دو قطبی تقسیم کا میں نے ذکر کیا تھا اس کے ڈانڈے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے ''سپاہ صحابہؓ'' اور ''جیش محمدؐ'' کے درمیان رونما ہونے والے خون خرابے اور قتل و خونریزی سے ملا دیئے ہیں۔ اس ضمن میں جناب عبد اللہ ملک صاحب کی اس ناواقفیت سے قطع نظر کہ انہیں سپاہ محمدؐ اور جیش محمدؐ کے مابین فرق معلوم نہیں ہے' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انہیں واقعتاً ایک خالص مذہبی فرقہ وارانہ کشاکش اور ایک نظریاتی انقلابی کشاکش کے مابین فرق بھی معلوم نہیں؟ —— اس سوال کا جواب اثبات میں اس لئے نہیں دیا جا سکتا کہ اپنی اس تحریر میں انہوں نے اس اجتماعی تحریک کا ذکر بہت شد و مد کے ساتھ اور نہایت تعریف و تحسین کے انداز میں کیا ہے جو اس وقت مغربی ممالک میں ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن —— اور اس کے مقصود ''گلوبلائزیشن'' کے خلاف چل رہی ہے —— اور ہمیں یقین ہے کہ عبد اللہ ملک صاحب اس کے ڈانڈے ہرگز آئرلینڈ میں جاری کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عیسائیوں کے مابین خونریزی سے نہیں ملائیں گے —— گویا ''وفاداری بشرط استواری عین ایمان ہے!'' کے مصداق عبد اللہ ملک صاحب کی اصل وفاداری کمیونزم کی اس وفات کے باوجود جس کا ڈنکا پوری دنیا میں بج چکا ہے تا حال اسی کے ساتھ برقرار ہے۔ اور اسی ناتے سے اسلام کے ساتھ ان کی ''الرجی'' بھی علیٰ حالہ قائم و دائم ہے!

لیکن اسی حوالے سے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ خواہ فرانس کا اٹھارویں صدی کے اواخر کا انقلاب ہو' خواہ روس کا بیسویں صدی کے اوائل کا اشتراکی انقلاب' کیا وہ معاشرے میں موجود ''تضادات'' کے نمایاں ہونے اور ان کی بنا پر پولارائزیشن کے

بالفعل وجود میں آنے کے بغیر رونما ہو گئے تھے؟ —— اور کیا ان کے دوران خونریزی نہیں ہوئی تھی؟ تاریخ عالم میں عظیم ترین' ہمہ گیر ترین' اور کامل ترین انقلاب محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا کیا تھا۔ (اس کی گواہی بیسویں صدی کے اوائل میں عبد اللہ ملک صاحب کے ممدوح ایم این رائے نے بھی دی' اور پھر اس کے اواخر میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے بھی دی!) —— اور اگرچہ اس انقلاب کے دوران قتل و غارت کا معاملہ معجزانہ حد تک کم ہوا تھا' یعنی کل ڈھائی صد کے لگ لگ بھگ مسلمان شہید ہوئے اور ساڑھے سات سو کے لگ بھگ کفار قتل ہوئے —— تاہم اس انقلاب کے ضمن میں ''حزب اللہ'' اور ''حزب الشیطان'' کے مابین ''پولارائزیشن'' بھی پوری شدت کے ساتھ ہوئی تھی اور خواہ بہت محدود پیمانے پر ہی سہی کسی قدر خونریزی بھی ہوئی تھی۔ دوقطبی تقسیم اور جان و مال کے ضیاع سے بچنے کی تو ایک ہی صورت ہے' اور وہ یہ کہ خواہ کسی خطۂ ارضی میں قائم نظام کتنا ہی ظالمانہ ہو' کتنا ہی جابرانہ ہو' کتنا ہی استحصالی ہو' اور کتنا ہی مبنی بر امتیازات ہو ہر حال میں ''سٹیٹس کوؑ'' (STATUS QUO) برقرار رکھا جائے۔ ورنہ عدل و انصاف کے قیام کی ہر کوشش ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی درجہ کے تصادم ہی کو جنم دے گی! چنانچہ قرآن حکیم نے تو سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۵ میں پردہ بالکل ہی اٹھا دیا ہے کہ: ''ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات کے ساتھ مبعوث کیا' اور ان کے ساتھ کتاب (یعنی شریعت) بھی اتاری اور میزان (یعنی متوازن نظام) بھی تاکہ لوگ عدل پر بالفعل قائم ہوں —— اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں جنگ کی شدید صلاحیت ہے —— اور یہ اس لئے کہ اللہ دیکھے کہ کون ہیں (اس کے وہ وفادار بندے) جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد (یعنی ان کے دیئے ہوئے نظام عدل و قسط کو قائم کرنے کی جدوجہد اس لوہے کی قوت کے ساتھ) کرتے ہیں —— ویسے یقیناً اللہ خود ہی قوی بھی ہے اور زبردست بھی!''

کاش جناب عبد اللہ ملک اور ان کے ہم خیال لوگ اس حقیقت کا ادراک کر سکیں کہ بنی نوع انسان کی بہت بڑی بدقسمتی یہ ہوئی کہ جب ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں سے

وسطیٰ یورپ میں علم و آ گہی اور عدل و قسط کے اصولوں کی روشنی پھیلی تو اس سے یورپ میں احیاء العلوم کی جو تحریک شروع ہوئی اس کا رخ صدیوں سے قائم پوپ کی غیر علمی' غیر عقلی اور شدید ترین مذہبی آمریت کے ردِ عمل کے طور پر الحاد اور لادینیت کی جانب مڑ گیا۔ اور اس کے نتیجے میں مادّیت کو جو غلبہ حاصل ہوا اور روح و روحانیت' اور مذہب اور آسمانی شریعت کے خلاف جو بغاوت ہوئی اس کی بنا پر مادّی جدلیت کا وہ عمل شروع ہوا۔ جس میں خالص مادی سطح پر دعویٰ' جواب دعویٰ' اور پھر ان کے مابین آمیزش سے ایک نئے دعویٰ کے ظہور کا عمل جاری ہوا جو تا حال جاری ہے۔ چنانچہ امریکی دانشور فوکویاما کا یہ موقف بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ نوع انسانی کا عمرانی ارتقاء سیکولر سیاست اور آزاد سرمایہ دارانہ معیشت کی صورت میں اپنی معراج کو پہنچ چکا ہے — اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جیسے یورپ میں سرمایہ داری کی اوّلین اور نیشنل سطح کی صورت کے خلاف ''جوابِ دعویٰ'' بھی کمیونزم کی صورت میں وہیں ظاہر ہوا تھا — اسی طرح اب جو یہ سرمایہ داری ''گلوبل'' صورت اختیار کر رہی ہے تو اس کے خلاف بھی ''جواب دعویٰ'' وہیں ظاہر ہو رہا ہے — اور اگرچہ اس جدلی عمل کا یہ پہلو مسلّم ہے کہ اس کے ہر چکر میں نوع انسانی قدرے بہتر نظام کی جانب بڑھتی رہی ہے — چنانچہ اسی حقیقت کے پیش نظر علامہ اقبال نے تاریخ کے اس جدلی عمل کو ''تلاش مصطفیٰؐ'' سے تعبیر کیا تھا — بقوائے:

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو   آنکہ کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیٰؐ او را بہاست   یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰؐ است!

اور ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کی زبانی اس ملعون کے اس اندیشے کو بیان کیا تھا کہ: ؎ ''عصر حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن یہ خوف۔ ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں!'' تاہم یہ خالص مادّی جدلی عمل کبھی اس کامل اور متوازن نظام عدل و قسط تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا — اور اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ وہی ہو گی جو حضرت علامہ نے ''عقل محض'' کی قرار دی ہے — یعنی ؎ ''گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور

چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے!'' اور الحمد للہ کہ اب انسان کی اجتماعی عقل اس مقام پر آ گئی ہے کہ خود اپنی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اشارہ کر رہی ہے کہ ؎ ''بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست۔ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است!''ــــ اور دنیا کشاں کشاں اسلامی انقلاب کی جانب بڑھ رہی ہے!ــــ!! یہی وجہ ہے کہ عالم کفر اپنے تمام تر لاؤلشکر اور مہلک ترین ہتھیاروں کے انباروں کے باوجود اس وقت ''مسلم فنڈا منٹلزم'' کے خوف سے لرزہ براندام ہےــــ اور جہاں عملی طور پر ''جہاد'' پورے عالم اسلام کا مقبول ترین نعرہ بن گیا ہے' وہاں نظری اور فکری سطح پر دعوتِ قرآنی اور قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کی نشر و اشاعت کا غلغلہ بھی بلند ہو چکا ہےــــ! اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ان دونوں اعتبارات سے پاکستان کو عالم اسلام میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے!

اس پس منظر میں افغانستان پر امریکہ کے ظالمانہ اور وحشیانہ حملےــــ اور اس کے ضمن میں حکومتِ پاکستان کی جانب سے امریکی تائید ونصرت کے نتیجے میں جو دو قطبی تقسیم (پولارائزیشن) اس وقت پاکستانی معاشرے میں ہو رہی ہے وہ واقعتاً نہایت مبارک ہےــــ اور یہ ان شاء اللہ العزیز یہاں اسلامی انقلاب کی تمہید بنے گی۔ چنانچہ اس وقت اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانانِ پاکستان کے جملہ دینی و مذہبی حلقوں اور طبقوں کا موقف ایک ہی ہے خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ' اور خواہ حنفی ہوں یا اہلحدیث' اور خواہ بریلوی ہوں خواہ دیوبندیــــ اور خواہ جماعت اسلامی ہو یا تنظیم اسلامی۔ اور خواہ خاکسار تحریک ہو یا تنظیم الاخوانــــ اور اگرچہ تا حال ان کے مابین ع ''قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم!'' کے مصداق ایک بنیان مرصوص بننے کی صورت پیدا نہیں ہوئی ہے تاہم امید ہے کہ اگر افغانستان پر ظالمانہ حملوں کا سلسلہ طویل ہوا تو اس شر کی کوکھ سے یہ خیر بھی ان شاء اللہ جلد برآمد ہو جائے گا کہ جملہ فعال دینی و مذہبی عناصر یکجا ہو جائیں گےــــ اور دوسری جانب یا اعلانیہ ملحد اور سیکولر لوگ رہ جائیں گے یا وہ جن کا اسلام سے تعلق صرف زبانی کلامی ہے یا انگریزی محاورے کے مطابق صرف ''SKIN DEEP''!

''امریکہ ایک حقیقی خطرے کی زد میں ہے''

بنجامن فرینکلن کی تقریر سے ایک اقتباس اور اس پر جناب اقتدار احمد مرحوم کا تبصرہ

''یہودی جہاں بھی گئے وہاں اَخلاق و کردار کا جنازہ نکل گیا۔ کاروبار کے اصول پامال ہوئے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے الگ تھلگ رکھتے ہیں اور کسی سے گھلنے ملنے کے روادار نہیں۔ اجنبیت کا یہ احساس انہیں دوسری قوموں کے سفاکانہ معاشی استحصال پر کمر بستہ رکھتا ہے' جیسے انہوں نے سپین اور پرتگال میں کیا۔ انہیں اجتماعیت پسند نہیں۔ یا تو انفرادی طور پر اپنی ہی کھال میں مست ہیں یا عیسائیوں اور دوسری قوموں میں جن کا ان سے نسلی تعلق نہیں' چھوٹے چھوٹے گروپ بنا کر رہتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ سختی سے نپٹا نہ گیا تو ایک صدی گزرنے سے پہلے ہماری آئندہ نسلیں یہودیوں کی جلب زر کا تلخ مزا چکھ رہی ہوں گی۔ حضرات! میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ اگر آپ یہودیوں کی گردنیں نہیں ناپتے تو آپ کے بچوں کی بددعائیں قبروں میں بھی آپ کو چین نہیں لینے دیں گی۔ یہ لوگ دس نسلیں بھی آپ کے ساتھ رہ لیں تب بھی ان کے چکنے گھڑوں پر آپ کے نظریات کی ایک بوند تک نہ ٹھہرے گی۔ یہودی اس ملک کے لئے ایک مستقل خطرہ ہیں۔ یہ لوگ یہاں گھسے بیٹھے رہے تو اس کے دستور و قانون پر آفت آ جائے گی۔ ہمیں ان کو اپنے آپ سے دفع کر دینا چاہئے۔ حضرات! امریکہ ایک حقیقی خطرے کی زد میں ہے اور یہ خطرہ یہودی ہیں۔''

بھلا بوجھئے یہ الفاظ کس نے' کب اور کہاں کہے ہوں گے! آپ یقین کر لیں گے کہ یہ اس تقریر کا حصہ ہے جو بنجامن فرینکلن (پیدائش ۱۷۰۶ء' وفات ۱۷۹۰ء) نے

بطور ''ممبر آف ہاؤس'' امریکی ایوان میں کی؟ یہ صاحب صرف سیاستدان نہیں' مصنف' سائنس دان اور موجد بھی تھے۔ ۱۷۷۵ء سے ۱۷۹۰ء تک ہاؤس کا ممبر رہنے کے علاوہ ایک سال ریاست ایریزونا کے گورنر بھی رہے۔ انگریزی روزنامے ''سعودی گزٹ'' جدہ کی روایت کے مطابق یہ تقریر وہائٹ ہاؤس کی دستاویزات اور کانگریس کی لائبریری میں آج بھی محفوظ ہے۔ لیکن تاحال نہ صرف ''فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے'' بلکہ صہیونیت کا جادو امریکہ کے سرچڑھ کر بول رہا ہے۔ امریکی نظام حکومت کا بالعموم اور خارجہ پالیسی کا بالخصوص مدار ہی خواہی نہ خواہی یہودیوں کی مصلحت پر ہے۔ انسانی اندازے خدائی تقویم بہرحال نہیں ہوتے' دس بیس سال کا آگے پیچھے ہو جانا معمولی بات ہے۔ تاہم اہل نظر کو امریکی عوام میں یہ شعور انگڑائی لیتا نظر آتا ہے کہ یہودی ہمیں گویا مروا کے چھوڑیں گے۔

پاکستان بھی آج کشتہ ستم صہیونیت ہی تو ہے۔ انہی کا خدا واسطے کا بیر اور عیاری و مکاری کا کمال ہمارے بارے میں امریکی پالیسی میں جھلک دکھاتا رہتا ہے۔ ہم ان بدبختوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔ امریکہ سے ہمارے تعلقات کی مثبت اور نتیجہ خیز استواری اس وقت تک خواب پریشان ہی رہے گی جب تک اس کی عالمی حکمت عملی ''وال سٹریٹ'' اور ''تل ابیب'' کے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔ اور ناچنے لگے تو گھونگھٹ کیسا۔ یہی سبب ہے کہ امریکی میڈیا کی دریدہ دہنی پوری ڈھٹائی سے ہمیں چڑ کے لگاتی رہتی ہے۔ اسرائیل کا ذکر ہو تو بریشم کی طرح نرم' باتوں اور پیار کی گھاتوں کا انداز اور عربوں یا عالم اسلام کے لئے کلمہ خیر میں آئر لینڈ والوں کی سی روایتی کنجوسی مسلمانوں کے حق میں ان کا قلم نشتر بن جاتا ہے تاک تاک کر دکھتی رگوں کو چھیڑتا اور طنز و استہزاء کا لطف لیتا ہے۔ ادھر ہم میں کہ ٹک ٹک دیدم' دم نہ کشیدم۔ اپنی نااہلی اور تن آسانی لہو رلاتی ہے کہ بین الاقوامی اسلامی نیوز ایجنسی کا منصوبہ ہنوز کاغذوں میں دفن ہے۔ ابھی اسے دن کی روشنی دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا ؎

حلقہ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوال تحقیق

اسلام اور عورت

تحریر : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

"اسلام میں عورت کا مقام" کے عنوان سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے ان خطابات میں جن نکات کا اجمالاً یا کنایتاً ذکر ہو سکا یا جن کا تذکرہ رہ گیا' فاضل مضمون نگار نے اس مضمون میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ واضح رہے کہ یہ مضمون ۱۹۸۳ء کا تحریر کردہ ہے۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ایک ایسی ریاست میں جس کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے' جس کے قیام کا مقصد ہی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تھا' جس کے دستور کی قرارداد مقاصد میں حاکمیتِ الٰہیہ ﴿ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ کا اصول طے شدہ ہے اور جس میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس ملک میں "کوئی قانون سازی قرآن و سُنّت کے خلاف نہیں کی جا سکے گی" مزید جس ملک کے سربراہ اور حاکم وقت تقریباً پانچ سال سے اپنی تقاریر' بیانات اور انٹرویوز میں مسلسل اس بات کا اعلان فرماتے رہتے ہیں کہ انہوں نے اقتدار ہی اس عزم بالجزم کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے کہ وہ اس ملک میں اسلامی نظام قائم کریں گے اور چادر اور چاردیواری کے احترام و تقدس کو بحال کریں گے' یہ بات انتہائی افسوس ناک اور دردناک ہے کہ ستر و حجاب اور عورت کے اصل مقام یعنی قرار فی البیوت کے اوامر و احکام اور عورت کے تبرج جاہلیہ یعنی بے حجابانہ طور پر سج دھج' بناؤ سنگار اور غیر ساتر لباس کے ساتھ مخلوط اداروں میں کام کرنے اور بلا ضرورت سڑگشت کرنے کے لئے شریعت میں ممانعت اور جو نواہی آئے ہیں ان کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی جا رہی ہے اور اس پر

ستم بالائے ستم یہ کہ اس کو عین اسلام قرار دیا جا رہا ہے۔ ایک معصیت اور برائی وہ ہوتی ہے جس پر ایک مسلمان کا ضمیر اُسے ملامت کرتا رہتا ہے۔ وہ شعوری طور پر جانتا ہے کہ وہ غلط کام کر رہا ہے۔ لیکن ایک برائی اور معصیت وہ ہوتی ہے جس کو وہ گناہ خیال ہی نہیں کرتا بلکہ مسلمان کہلاتے ہوئے بھی وہ اسے صحیح سمجھتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے' تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے دین سے بغاوت کر رہا ہے' اس لئے کہ اسلامی معاشرت' سماج اور عائلی نظام کے متعلق قرآن حکیم میں سب سے زیادہ تفصیلی احکام آئے ہیں۔ اس کی حکمت بھی بادنیٰ تامل سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ایک معاشرے اور ریاست کی بنیادی اکائی خاندان ہوتا ہے۔ ان ہی کے مجموعے سے اجتماعیت' معاشرہ اور ریاست وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت خاندان کے ادارے کو مستحکم بنیادوں پر صالح بنانا چاہتی ہے تاکہ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ اور نظامِ مملکت صحیح خطوط پر قائم ہو سکے اور ترقی و ارتقاء کی منازل طے کرتا چلا جائے۔ چادر اور چار دیواری کے احترام و تقدس کی بحالی کا جو واضح مقصد سمجھ میں آتا تھا وہ یہی تھا کہ پاکستان میں اسلامی معاشرت کے تقاضے پورے کئے جائیں گے' لیکن معاملہ بالکل برعکس نظر آ رہا ہے۔

جو لوگ اسلام کے نظام معاشرت کو موجودہ دَور کے "تقاضوں" کے مطابق نہیں سمجھتے اور اس کو تبدیل کرنے پر مصر ہیں' اپنی حقیقت اور روح دونوں اعتبارات سے یہ رویہ اسلام کے خلاف اظہارِ عدم اعتماد ہے۔ ہم بڑی دردمندی' دِل سوزی اور نصح و خیر خواہی کے ساتھ اس طبقے سے التجا کرتے ہیں کہ خدارا اپنی آخرت کی ابدی زندگی کو دنیا کی عارضی چمک دمک اور نمود و نمائش کے لئے برباد نہ کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن حکیم میں بڑی وعیدیں آئی ہیں' جن میں سے دو کا حوالہ کافی ہو گا۔ پہلی آیت سورۂ بقرہ کی ہے' فرمایا :

﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ﴾ (آیت ۸۱)

"کیوں نہیں' جو ایک بدی کمائے گا اور اپنی اسی خطا کاری کے چکر میں پڑا رہے گا تو وہ دوزخی ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔"

یعنی ایک مدعیِ ایمان کسی برائی کا ارتکاب کرے' پھر اس پر ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جائے' اس کو

برائی سمجھنا ہی چھوڑ دے اور اسے عین صواب سمجھنے لگے' اسی پر مصر ہو تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں رہے گا۔

دوسری سورۃ الصف کی آیات ۲'۳ ہیں۔ فرمایا :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالاَ تَفْعَلُوْنَ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالاَ تَفْعَلُوْنَ○ ﴾

"اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ نہایت ناپسندیدہ اور انتہائی بیزاری کی حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو!"

یعنی ایک طرف یہ دعویٰ کہ ہم مؤمن ہیں' ہمارا دستورِ حیات قرآن ہے' ہمارے لئے مشعل اور دلیل راہ سُنّت ہے' ہم اسلامی نظام کو ایک مکمل و اکمل نظام سمجھتے ہیں' اسی کا نفاذ و استحکام ہمارا نصب العین ہے' لیکن ہمارا انفرادی و اجتماعی طرزِ عمل' دستورِ زندگی' بشمول نظام ہائے حکومت و سیاست' معیشت و معاشرت تمام کی تمام قرآن و سُنّت کے خلاف ہے' تو قول و عمل کا یہ تضاد اللہ کے غصے کو اتنا بھڑکاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے سخت بیزار ہو جاتا ہے۔

اسلام میں عورت کے لئے ستر و حجاب اور اس کے اصل دائرہ کار کے متعلق جو احکام آئے ہیں ان پر ہر مکتب فکر کے ائمہ مجتہدین کا اجماع رہا ہے۔ صرف ایک مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرے کی ٹکیہ بھی گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں ستر میں شامل ہے یا نہیں۔ جو اس کو ستر میں شامل نہیں کرتے وہ بھی سر کو ستر میں شامل کرتے ہیں اور چہرے کی زیب و زیبائش یا میک اپ کی صورت میں اس کے اظہار کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ایسے متفق علیہ مسئلے کے خلاف ہمارے ملک کے اخبارات و جرائد میں مسلسل مضامین' مراسلات اور بیانات کا آنا انتہائی افسوس ناک اور قابل مذمت ہے' خصوصاً اس حکومت کے دور میں جو اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات کئے جانے کی دعوے دار ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد مرد و عورت کے متعلق اسلامی تعلیمات پیش ہیں۔

دینی اور اَخلاقی حیثیت سے مَرد و عورت مساوی ہیں

اس ضمن میں مزید تفہیم کے لئے حسب ذیل تین آیات پیش ہیں :

(۱) ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا○ ﴾ (النساء : ۱۲۴)

"اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مَرد ہو یا عورت' بشرطیکہ ہو وہ مؤمن' تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔"

(۲) ﴿ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ○ ﴾ (المؤمن : ۴۰)

"جو برائی کرے گا اس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اس نے برائی کی ہو گی اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مَرد ہو یا عورت' بشرطیکہ وہ مؤمن ہو' تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے' جہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔"

(۳) سورۃ الزلزال میں وہ اصول بیان فرمادیا جو پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے جس میں مَرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ○ ﴾ (آیات ۷'۸)

"پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ (آخرت میں) اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اس کو (آخرت میں) دیکھ لے گا۔"

اب چند وہ امور پیش ہیں جن میں مَرد و عورت کے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار دین نے مقرر کئے ہیں۔

عورت اور جنازے میں شرکت

مسلمانوں کے لئے جنازے میں شرکت کرنا شریعت نے فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق احادیث میں جو تاکید آئی ہے وہ سب مَردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کو اس میں شرکت سے منع کیا گیا ہے' اگرچہ اس میں سختی نہیں کی گئی ہے لیکن اس بات کو واضح کر

دیا گیا ہے کہ عورت کی شرکت میں کراہت ہے۔ بخاری میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :

نُهِينَا عنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا

"ہم کو جنازوں کی متابعت سے منع کیا گیا مگر سختی کے ساتھ نہیں۔"

فقہ حنفی کا مستقل موقف یہ ہے کہ نماز جنازہ میں شرکت مَردوں کے لئے فرضِ کفایہ ہے لیکن عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی شرکت مکروہ تحریمہ ہے۔

زیارتِ قبور اور عورت

قبور کی زیارت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ عورت رقیق القلب اور جذباتی ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے قریبی عزیزوں کی قبروں پر اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جانے کا شدید احتمال ہے۔ لہٰذا ان کو کثرت سے زیارتِ قبور کے لئے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ :

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر بکثرت جانے والیوں کو ملعون ٹھہرایا۔"

مجلس نکاح اور عورت

عقد نکاح ہی سے ایک مَرد کے لئے عورت سے تمتع جائز ہوتا ہے۔ اسی سے ایک نئے خاندان کی داغ بیل پڑتی ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ مجلس نکاح میں دلہن خود نہیں آتی۔ کنواری عورت سے ولی یا اس کا وکیل اجازت لیتا ہے۔ اس کے لئے دو گواہ ہونے ضروری ہیں۔ وکیل اور گواہوں کا محرم ہونا بھی مستحسن ہے۔ عورت نہ وکیل بن سکتی ہے نہ گواہ، خواہ وہ ماں اور بہنیں ہی کیوں نہ ہوں۔

باکرہ لڑکی سے اجازت ضروری ہے

نکاح کے معاملے میں مَرد بالکل آزاد ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کی اجازت کا پابند نہیں۔ وہ صرف مشرک عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتا : ﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ ﴾ لیکن باکرہ عورت کے نکاح کے لئے اس کے ولی کی اجازت ضروری ہے، البتہ بیوہ پر ایسی پابندی نہیں ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے :

((الایم اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا))

"بیوہ اپنے معاملے میں فیصلہ کرنے کا حق اپنے ولی سے زیادہ رکھتی ہے۔"

تاہم احناف کے نزدیک باکرہ عورت اپنی مرضی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ ولی کو بھی چاہئے کہ وہ باکرہ عورت کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہ کرے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

((لَا تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ))

"باکرہ لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔"

عورت کا نکاحِ ثانی اور دیگر مذاہب

ہندومت میں طلاق کا تصور ہی موجود نہیں تو عورت کے لئے نکاحِ ثانی کا کیا سوال! بیوہ ہونے کی صورت میں ان کے اصل دھرم کا حکم تو یہ ہے کہ اس کو ستی کر دیا جائے' یعنی شوہر کے ساتھ اسے بھی زندہ جلا دیا جائے ـــــ رہا دنیا کے ایک اور بڑے مذہب عیسائیت کا معاملہ تو مَرد عورت کو صرف بد چلنی کا واضح ثبوت ملنے کی صورت میں طلاق دے سکتا ہے۔ ان کے مذہب میں اس مطلقہ عورت سے کسی کو شادی کی اجازت نہیں ہے۔ بیوہ اگرچہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے لیکن اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ لیکن اسلام نے ان تمام عورتوں کو نکاح ثانی کا غیر مشروط حق دیا ہے جن کے نکاح از روئے شریعت فسخ کئے گئے ہوں یا جن کو حکم تفریق کے ذریعے جدا کیا گیا ہو یا ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہو یا جو بیوہ ہو گئی ہوں۔ ایسی تمام عورتوں کے نکاح ثانی میں رکاوٹ بننے کا حق نہ سابق شوہر کو حاصل ہے نہ اس کے کسی رشتہ دار کو ـــــ یہ وہ حق ہے جو اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل عورتوں کو دیا تھا۔ ترقی و تمدن کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود یہ حق آج تک یورپ کے متعدد ملکوں اور امریکہ کی ریاستوں میں بھی عورتوں کو نہیں ملا ہے۔

عورتوں کے گھر سے نکلنے کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات

مَرد اپنے اختیار سے جہاں چاہے جا سکتا ہے' لیکن عورت خواہ کنواری ہو یا شادی شدہ ہو' یا بیوہ و مطلقہ ہو' سفر میں محرم کے بغیر نہیں نکل سکتی۔ سفر کی مدت میں البتہ اختلاف ہے۔ ایک روایت میں تین دن اور اکثر روایات میں ایک دن رات کی مدت مقرر ہے۔

ان ہدایات کا اصل مفاد یہ ہے کہ عورت کو تنہا سفر کے لئے نقل و حرکت کی آزادی نہ دی جائے ـــــ حد یہ ہے کہ حج کے لئے جو ایک فرض عبادت ہے' عورت محرم کے بغیر نہیں جا سکتی چاہے وہ مالی حیثیت سے ذاتی طور پر استطاعت رکھتی ہو۔ اس کے ساتھ محرم ہونا ضروری ہے۔ اگر محرم خود صاحب استطاعت نہ ہو تو عورت اس کا زادِ راہ برداشت کرے۔ محرم کے بغیر استطاعت کے باوجود یہ فرض عبادت عورت سے ساقط ہو جائے گی۔

شوہر کی اجازت کے بغیر عام ضروریات و حوائج کے علاوہ عورت کو گھر سے نکلنے کی آنحضور ﷺ نے نہایت سخت انداز سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا خَرَجَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ بَيْتِهَا وَزَوْجُهَا كَارِهٌ لَعَنَهَا كُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَآءِ وَكُلُّ شَيْءٍ مَرَّتْ عَلَيْهِ غَيْرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ حَتّٰى تَرْجِعَ))

"جب عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے نکلتی ہے تو آسمان کا ہر فرشتہ اس پر لعنت بھیجتا ہے اور جن و انس کے سوا ہر وہ چیز جس پر سے وہ گزرتی ہے' اس پر پھٹکار بھیجتی ہے' تاوقتیکہ وہ واپس لوٹ آئے۔"

سنن ابی داؤد میں ایک طویل روایت ہے جس میں بیان ہے کہ آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ مسجد سے نکلتے وقت مرد اور عورتیں مل جاتے ہیں تو آپؐ نے عورتوں کو ہدایت فرمائی :

((اِسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ' عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيْقِ)) فَكَانَتِ الْمَرْاَةُ تَلْصِقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰى اَنَّ ثَوْبَهَا يَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُصُوْقِهَا

"تم پیچھے ہو جاؤ' تمہارے لئے راستہ کے بیچ میں چلنا ٹھیک نہیں ہے۔ تم راستے کے کنارے چلو"۔ چنانچہ اس حکم کے بعد عورتیں بالکل دیوار سے لگ جاتیں' یہاں تک کہ ان کی چادریں دیوار سے الجھتی تھیں۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد میں اتنی دیر ٹھہرتے کہ

روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بعد میں مسجد نبوی کا ایک دروازہ عورتوں کے لئے مختص فرمادیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مَرد دو عورتوں کے درمیان سے چلے۔

عورت ایسا زیور پہن کر باہر نہیں نکل سکتی جس میں جھنکار ہو۔ اس کی ممانعت کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے (جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب اپنی تقریر میں دے چکے ہیں)۔ عطر لگا کر گھر سے نکلنے کی آنحضور ﷺ نے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ جامع ترمذی میں روایت ہے :

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((اَلْمَرْاَۃُ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَھِیَ کَذَا (ای زانیۃ))

آپؐ نے فرمایا: "جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔"

باہر جانے کی صورت میں عورت کو ایسی خوشبو لگانے کی اجازت ہے جس کا چاہے رنگ ہو مگر وہ پھیلنے والی خوشبو نہ ہو۔ وَطِیْبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ وَلاَ رِیْحَ لَہٗ ـــــ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت پھیلنے والی خوشبو لگا کر مسجد نبوی سے آرہی تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ہدایت کی کہ گھر جا کر اس طرح غسل کرو جیسے غسل جنابت کیا جاتا ہے۔

نکاح اور اہل کتاب

مَرد جس طرح کسی مسلمان عورت سے نکاح کرنے میں آزاد ہے اسی طرح وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عورتوں سے بھی نکاح کرنے میں آزاد ہے۔ وہ لونڈی سے بھی تمتع کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کو اس معاملے میں قطعی پابند کیا گیا ہے۔ اس کے لئے اہل کتاب مَرد سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح مَرد اپنی لونڈی سے تمتع میں آزاد ہے لیکن عورت کے لئے یہ حرام ہے۔ خلافت فاروقی میں ایک عورت نے ﴿ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ﴾ سے غلط تاویل کر کے اپنے غلام سے تمتع کر لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب شوریٰ سے مشورہ کیا جن کا متفقہ فیصلہ تھا کہ "اس عورت نے کتاب اللہ کو غلط معنی

پہنائے۔" چنانچہ اس عورت کو سزا دی گئی۔

تعددِ ازواج

سورۃ النساء میں مَرد کو عدل و قسط کی شرط کے ساتھ بیک وقت چار بیویاں اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے لیکن عورت کے لئے یہ قطعی حرام ہے۔

عورت کا لباس

لباس ایک تمدنی ضرورت ہے۔ اس کی ایک غایت موسمی اثرات سے حفاظت ہے اور زینت بھی۔ اور اس کی اصل غایت اور سب سے اہم مقصد ستر ہے۔ عورت کے لئے ایسا لباس پہننا جس سے ستر و حجاب کے حدود ٹوٹتے ہوں' جائز نہیں۔ "رُبَّ کَاسِیَۃٍ" اور "کَاسِیَاتٍ عَارِیَاتٍ" جیسی احادیث کا حوالہ ڈاکٹر صاحب کے خطاب میں آچکا ہے۔ سنن ابی داوٗد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ نہایت باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ آپؐ نے ان کو دیکھا تو منہ پھیر لیا اور فرمایا: "اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو بجز اس کے اور اس کے' اس کے جسم کا کوئی حصّہ نظر نہیں آنا چاہئے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ ارشاد فرما کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا ـــــ خیال رہے کہ یہ ستر و حجاب کے احکام کے نزول سے قبل کا واقعہ ہے۔

عورت اور سیاست

کسی ریاست کا سب سے اہم اجتماعی شعبہ نظام مملکت ہے۔ اس دائرہ کار میں عورت کا کوئی حق نہیں رکھا گیا۔ یہ شعبہ بالکلیہ مَرد کے سپرد ہے۔ اس مسئلے میں قرآن مجید کی واضح نصوص ﴿ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ﴾ ' ﴿ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ﴾ اور ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ ہیں۔ اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات و تعلیمات یہ ہیں کہ :

(ا) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَهْلَ فَارَسَ مَلَکُوْا عَلَیْهِمْ بِنْتَ کَسْرٰی قَالَ : ((لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ

اِمْرَاَۃً)) (بخاری' ترمذی' نسائی)

"ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے تو آپؐ نے فرمایا: "وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمام کار ایک عورت کے حوالے کر دی ہے۔"

(۲) ((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((اِذَا کَانَتْ اُمَرَآءُ کُمْ خِیَارَکُمْ وَاَغْنِیَآءُ کُمْ سُمَحَاءَ کُمْ وَاُمُوْرُکُمْ شُوْرٰی بَیْنَکُمْ فَظَھْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ بَطْنِھَا' وَاِذَا کَانَتْ اُمَرَاءُ کُمْ شَرَارَکُمْ وَاَغْنِیَاءُ کُمْ بُخَلاَءَ کُمْ وَاُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَاءِ کُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَھْرِھَا ﴾ (ترمذی)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تمہارے حاکم اچھے لوگ ہوں اور تمہارے مال دار تم میں زیادہ سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشورے سے طے پائیں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے' اور جب تمہارے حاکم شریر لوگ ہو جائیں اور تمہارے مال دار بخیل ہو جائیں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔"

صدرِ اوّل کی تاریخ میں عملی سیاست میں حصّہ لینے کی صرف ایک مثال ملتی ہے۔ وہ یہ کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کا مطالبہ لے کر اٹھیں' جس کے نتیجے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوجوں میں جنگ ہوئی جس کا نام جنگ جمل ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ کس فریق سے اجتہادی غلطی ہوئی' حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے جو ایک غیر جانب دار شخصیت تھے اور جن کے علم و تقویٰ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا' یہ تھی کہ :

اِنَّ بَیْتَ عَائِشَۃَ خَیْرٌ لَّھَا مِنْ ھَوْدَجِھَا

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر اُن کے ہودج سے بہتر تھا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کو پیغام بھجوایا تھا کہ "عورتوں کو جنگ اور

مَردوں کے معاملات میں پڑنے سے کیا تعلق ہے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعد میں اپنے اس عمل پر اظہار پشیمانی کرتی رہیں اور اس پر استغفار کرتی رہیں۔ اس مثال میں قابل غور امور یہ ہیں:

اوّل یہ کہ یہ ایک ہنگامی نوعیت کا معاملہ تھا۔ اس کو باقاعدہ ملک کی سیاسیات اور حکومت کے معاملات میں حصہ لینے کے لئے دلیل بنایا ہی نہیں جاسکتا۔ دوسرے یہ کہ اپنے اس اقدام پر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا تمام عمر پشیمان بھی رہیں اور استغفار کرتی رہیں۔ تیسرے یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو عورت ہونے کے ناطے سے ان کے دائرۂ عمل سے باہر کا اقدام قرار دیا۔

غزوات میں عورتوں کی شرکت

اس موضوع پر مولانا امین احسن اصلاحی کی معرکتہ الآرا تالیف "پاکستانی عورت دوراہے پر" سے ایک اقتباس درج ذیل ہے جو مولانا نے "الاستیعاب" کے حوالے سے نقل فرمایا :

"اس حقیقت کی ایک بہت بڑی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ایک واقعہ سے بھی ملتی ہے۔ اسماء بنت زید انصاریہ رضی اللہ عنہا ایک مشہور دین دار اور عقل مند صحابیہ اور مشہور صحابی معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرنے آئی ہوں اور وہی رائے رکھتی ہیں جو میں گزارش کر رہی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مَردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپؐ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپؐ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی اور گھروں کے اندر بیٹھنے والی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مَرد ہم سے اپنی خواہش نفس پوری کر لیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مَرد جمعہ و جماعت، جنازہ و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار کی حفاظت کرتی اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں، تو کیا اجر میں بھی ان کے

ساتھ ہم کو حصّہ ملے گا؟ آنحضرت ﷺ ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "کیا تم نے ان سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟" تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ "نہیں یا رسولؐ اللہ"۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اے اسماء! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا' اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مَردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں" —— حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی گئیں"۔

اس کے بعد مولانا اصلاحی رقم طراز ہیں :

"حضرت اسماءؓ نے صرف اپنے زمانے ہی کی خواتین کی نمائندگی نہیں فرمائی بلکہ بعض پہلوؤں سے ہمارے زمانے کی خواتین کی بھی پوری پوری نمائندگی کردی ہے۔ اِس زمانہ میں آزادیٔ نسواں کی علم بردار عورتیں جو کچھ کہتی ہیں اس کی ایک بڑی اہم وجہ تو یہی ہے کہ وہ فرائض ان کو حقیر نظر آتے ہیں جو قدرت نے ان کے سر ڈالے ہیں اور وہ فرائض ان کو معزز و محترم نظر آتے ہیں جو مَردوں سے متعلق ہیں۔ اس وجہ سے وہ کہتی ہیں کہ یہ کیا ناانصافی ہے کہ ہم عورتیں تو زندگی بھر بچے لادے پھریں اور چولہے چکی کی نذر ہو کے رہ جائیں اور مَرد ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کے فیصلے کرتے پھریں! اور پھر وہ مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کو بھی مَردوں کے دوش بدوش ہر میدان میں جدوجہد کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ حالانکہ وہ غور کریں تو اس بات کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہے کہ ایک مَرد مجاہد جو میدانِ جنگ میں جہاد کر رہا ہے اس کا یہ جہاد ہو نہیں سکتا جب تک اس کے پیچھے ایک مجاہدہ بچوں کے سنبھالنے اور گھر کی دیکھ بھال میں اپنی پوری قوتیں صرف نہ کرے!! میدانِ جنگ کا یہ جہاد گھر کے جہاد ہی کا ایک پَرتو اور مَرد کی یہ یکسوئی عورت کی قربانیوں کا ایک ثمر ہے۔ اس لئے مَردِ خدا اگر خدا کی راہ میں لڑ رہا ہے تو تنہا مَرد ہی نہیں لڑ رہا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خدا کی وہ

بندی بھی مصروفِ پیکار ہے جس نے مَرد کو زندگی کے دوسرے محاذوں پر لڑنے سے سبک دوش کرکے اس میدانِ جنگ کے لئے فارغ کیا ہے اور گھر کے مورچہ کو اس نے خود سنبھال رکھا ہے۔ جذبات سے الگ ہو کر صحیح صحیح موازنہ کرکے اگر دیکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں جہادوں میں سے کوئی بھی کم ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟ انصاف یہ ہے کہ دونوں یکساں ضروری ہیں' اس لئے خدا کی نگاہوں میں دونوں کا اجر و ثواب بھی یکساں ہے۔"

جو خواتین و حضرات غزوات میں صحابیات کی شرکت کی بعض استثنائی نظیروں سے عورتوں کو مَردوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں کام کرنے کے لئے استدلال کرتے ہیں وہ اگر نیک نیتی سے کسی مغالطے میں مبتلا ہیں تو صرف یہی حدیث ان کا مغالطہ دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○○

ضرورت رشتہ

رفیق تنظیم کی دینی مزاج کی حامل دو بہنوں' عمر ١٧ اور ١٩ سال' تعلیم میٹرک / انڈر ایف اے کے لئے صحیح العقیدہ لڑکوں کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ کے لئے: معرفت نائب مدیر ندائے خلافت' فون: 03-5869501

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ

(رواہ البخاری والترمذی وابوداؤد)

مسلمان کا طرزِ حیات (۱۸)

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنهاجُ المُسلم" کا اُردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الاداب

دوسرا باب

اللہ عزوجل کا ادب

ایک مسلمان آدمی جب اللہ کے بے شمار احسانات اور لاتعداد نعمتوں کو دیکھتا ہے جو اس کی تخلیق کے اولین مراحل سے لے کر موت تک پوری زندگی میں اسے حاصل ہوتی رہی ہیں' تو وہ زبان سے بھی اللہ عزوجل کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کی کماحقہ حمد و ثناء کرتا ہے اور اپنے جسم سے بھی اس کا شکر ادا کرتا ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کو اللہ کی اطاعت کے کاموں میں استعمال کرتا ہے۔ یہ طرزِ عمل مؤمن کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے ادب کا اظہار ہے۔ کیونکہ نعمتوں کی ناقدری اور منعم کے احسان کا انکار ایک ایسا رویہ ہے جس کا ادب سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ... ﴾ (النّحل: ۵۳)

"تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ ﴾ (النحل: ۱۸)

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکو گے۔"

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ ﴾

(البقرۃ : ۱۵۲)

"تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا' اور میرا شکر کرو' میری ناشکری نہ کرو۔"

مؤمن جب اس طرف توجہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے اور اس کے تمام حالات سے واقف ہے تو اس کا دل اللہ کی عظمت اور ہیبت کے احساس سے لبریز ہو جاتا ہے' چنانچہ اسے اللہ کی نافرمانی اور حکم عدولی سے شرم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظِ خاطر رکھنے کا یہی مفہوم ہے۔ کیونکہ اسے تو ادب نہیں کہا جا سکتا کہ بندہ اپنے آقا کے سامنے ہی اس کی حکم عدولی کرنے لگے' اور اس کے دیکھتے ہوئے گندے کاموں اور رنیچ حرکتوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ○ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ○ ﴾

(نوح : ۱۳'۱۴)

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے لیے کسی وقار کی توقع نہیں کرتے' حالانکہ اس نے تمہیں مختلف احوال سے گزار کر پیدا کیا ہے۔"

نیز فرمایا :

﴿ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ ﴾ (النّحل : ۱۹)

"جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو وہ (سب کچھ) جانتا ہے۔"

ایک مقام پر ارشاد ہے :

﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ... ﴾ (یونس : ۶۱)

"(اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور قرآن میں سے جتنا کچھ بھی تلاوت کرتے ہیں' اور (اے مؤمنو!) تم جو بھی عمل کرتے ہو تو جب تم اس (کام) میں مشغول ہوتے ہو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں۔ اور (اے نبی!) آپ کے رب سے تو نہ زمین میں ذرہ برابر (کوئی چیز) مخفی ہے نہ آسمان میں۔"

مسلمان محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مکمل قدرت رکھتا ہے' وہ اللہ سے

بھاگ کر کہیں پناہ نہیں لے سکتا' نہ اس کے قبضۂ قدرت سے چھوٹ کر کہیں جا سکتا ہے۔ اسے پناہ ملے گی تو اللہ ہی کے ہاں ملے گی۔ اس لیے مؤمن تمام خطرات سے بھاگ کر اللہ ہی کی طرف آ جاتا ہے اور اس کے قدموں میں گر پڑتا ہے' اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دیتا ہے اور اسی پر توکل کر لیتا ہے۔ یہ سب کچھ مؤمن کے اپنے ربّ کا ادب کرنے کا مظہر ہے۔ کیونکہ جس سے بھاگ کر بچ جانا ممکن نہیں اس سے دور بھاگنے کی کوشش' اور جسے کسی قسم کی کوئی قدرت حاصل نہیں اس پر اعتماد اور بھروسا ادب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلاَّ هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ط ﴾ (ھود : ۵۶)

"جو بھی چلنے پھرنے والی (مخلوق) ہے اس کی پیشانی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔"

نیز فرمایا :

﴿ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ط اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ ﴾ (الذّٰریٰت : ۵۰)

"تو اللہ کی طرف بھاگو' یقیناً میں اس کی طرف سے تمہارے لیے واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔"

اور فرمایا :

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (المائدۃ : ۲۳)

"اگر تم مؤمن ہو تو اللہ ہی پر بھروسا کرو۔"

مسلمان تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کی رحمت اسے بھی حاصل ہے اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی حاصل ہے۔ چنانچہ وہ اس کی مزید رحمت کا طالب ہوتا ہے' اور خلوصِ قلب سے اس کے حضور گڑگڑاتا اور دعا کرتا ہے۔ اور اِس مقصد کیلئے اچھے الفاظ (مسنون از کار و ادعیہ) اور نیک اعمال کو وسیلہ بناتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ادب کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جو رحمت تمام مخلوق کو فیض یاب کر رہی ہے اور اس کا جو احسان تمام مخلوقات پر ہے' اس سے مایوس اور ناامید ہو جانا ادب کے منافی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ؕ ﴾ (الاعراف : ۱۵۶)

"میری رحمت ہر چیز کو حاوی ہے۔"

نیز ارشاد ہے :

﴿ اَللّٰهُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِهٖ ... ﴾ (الشوریٰ : ۱۹)

"اللہ اپنے بندوں پر لطف و کرم کرنے والا ہے۔"

اور فرمایا :

﴿ لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (یوسف : ۸۷)

"اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔"

نیز فرمایا :

﴿ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (الزمر : ۵۳)

"اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔"

مسلمان دیکھتا ہے کہ اس کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے' وہ انتقام لینے پر قادر ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ چنانچہ وہ اس کی اطاعت کر کے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کر کے اس کے غضب اور انتقام سے بچ جاتا ہے۔ یہ طرزِ عمل بھی اللہ کا ادب ملحوظِ خاطر رکھنے میں شامل ہے۔ لیکن اہل دانش اس چیز کو ادب کے منافی سمجھتے ہیں کہ عاجز و کمزور بندہ غالب و قادر اور صاحب قوت رب کی نظروں کے سامنے معصیت اور ظلم کا ارتکاب کرے' جب کہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ :

﴿ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ ﴾

(الرعد : ۱۱)

"جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو مصیبت (یا عذاب) میں مبتلا کرنا چاہے تو وہ حکم ٹل نہیں سکتا۔ اور اس کے سوا کوئی ان کے کام بنانے والا نہیں۔"

اور ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ○ ﴾ (البروج : ۱۲)

"تیرے رب کی پکڑ یقیناً سخت ہے۔"

وہ فرماتا ہے:

﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوا انْتِقَامٍ ○ ﴾ (آل عمران: ۴)

"اللہ غالب ہے' بدلہ لینے والا۔"

جب مسلمان اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر اس کی نافرمانی کا کوئی کام کر بیٹھتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی وعید کی زد میں آگیا ہے گویا عذاب آنے ہی والا ہے اور سزا اسے ملنے ہی والی ہے۔ اسی طرح جب وہ اللہ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور اس کی شریعت پر عمل کرتا ہے تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ثواب دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ہے' اور وہ رضائے الٰہی کی خلعت سے سرفراز ہو چکا ہے۔ مؤمن کو اپنے رب کے متعلق جو حسن ظن ہوتا ہے یہ کیفیات اس کا مظہر ہیں۔ اور اللہ کے بارے میں حسن ظن رکھنا اللہ کے ادب میں شامل ہے۔ کیونکہ یہ چیز ادب کے منافی ہے کہ بندہ اپنے رب کے متعلق سوئے ظن کا شکار ہو کر اس کی نافرمانی کرنے لگے اور اطاعت چھوڑ بیٹھے' یا یہ گمان کرلے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی بدکرداریوں کا علم ہی نہیں ہے' نہ وہ ان گناہوں پر کوئی محاسبہ کرے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

﴿ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾

(حٰمٓ السجدۃ: ۲۲'۲۳)

"لیکن تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کا علم ہی نہیں ہوتا۔ یہ ہے تمہارا گمان جو تم نے اپنے رب کے متعلق رکھا' تو اس گمان نے تمہیں تباہ کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں میں شامل ہو گئے۔"

اسی طرح یہ بھی ادب کے خلاف ہے کہ انسان اللہ سے ڈر کر اس کی اطاعت تو کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کا خیال یہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکیوں کا بدلہ نہیں دے گا اور اس کی اطاعت و عبادت کو شرفِ قبولیت سے نہیں نوازے گا۔ حالانکہ وہ تو فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ ﴾ (النُّور : ۵۲)

"جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے' اس کا خوف رکھے اور تقویٰ اختیار کرے' تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (النَّحل : ۹۷)

"جو کوئی مرد یا عورت حالتِ ایمان میں اچھے کام کرتا ہے ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے اور ان لوگوں کو ہم ان کے بہترین اعمال کی جزا ضرور دیں گے۔"

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الانعام : ۱۶۰)

"جو کوئی نیکی لے کر آیا اسے اس کا دس گنا ملے گا' اور جو کوئی گناہ لے کر آیا اسے صرف اتنا ہی بدلہ ملے گا' اور ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایک مسلمان جب اپنے رب کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہے' اگر اس کا دل گناہ کی طرف مائل ہو تو وہ اللہ سے حیا کرتا ہے (اور اس گناہ سے دور رہتا ہے)' سچے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے' اس پر بھروسا رکھتا ہے' اس کی رحمت کی امید رکھتا ہے' اور اس کی ناراضگی سے ڈرتا ہے' اور اللہ کے متعلق یہ حسن ظن رکھتا ہے کہ وہ اپنے وعدے پورے کرنے والا ہے اور جن بندوں پر چاہتا ہے وعید کا نفاذ بھی کر دیتا ہے۔ تو یہ سب کچھ مؤمن کا اللہ کے ساتھ حسن ادب ہے۔ جس طرح وہ اس پر عمل پیرا رہے گا اور اس کا خیال رکھے گا اتنے ہی اُس کے درجات بلند ہوتے جائیں گے' وہ بلند مقامات پر فائز ہوتا جائے گا اور اللہ کے ہاں اس کے عز و شرف میں اضافہ ہوتا جائے گا' حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت و حفاظت سے مشرف ہو جائے گا۔ اس پر اللہ کی

(باقی صفحہ ۱۱۸ پر)

اَخلاقِ نبویؐ

تحریر: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اسلامی تعلیمات میں اَخلاقیات کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اسلام بنی آدم کو صحیح معنوں میں انسان بنانے کا خواہش مند ہے' تاکہ معاشرہ اچھے افراد سے بھر جائے' اَخلاقی خوبیاں عام ہوں اور معاشرہ امن وسلامتی کی تصویر بن جائے۔ مکارمِ اَخلاق سیرت وکردار کی بلندی کے مظہر ہوتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ رسولِ پاک ﷺ سرتاپا اَخلاقی خوبیوں سے متصف تھے۔ یہ آپ کے سیرت وکردار کی بلندی ہی تھی جس نے اوّلین اہل مکہ کو متاثر کیا اور وہ آپ کو صادق اور امین کے القابات سے پکارنے لگے۔ جب آپؐ نے نبوّت کا اعلان کیا تو وہی لوگ آپؐ کے شدید ترین مخالف ہو گئے۔ یہ مخالفت صرف آپؐ کے پیش کردہ نظام کی تھی جس میں بڑے چھوٹے کی تمیز ختم ہو رہی تھی۔ ورنہ حضور اکرم ﷺ کے سابقہ کردار پر کوئی کٹر سے کٹر مخالف بھی کبھی انگلی نہ اٹھا سکا۔

چالیس سال کی عمر میں رسول اکرم ﷺ پر نزولِ وحی کا آغاز ہوا تو آپؐ پیغامِ رسالت لوگوں تک پہنچانے لگے۔ اب آپؐ کی ہر بات خدا کی تعلیم کردہ تھی' جو کہ انتہائی صاف ستھری' مبنی برانصاف اور معاشرے سے گندگی اور غلاظت کو ختم کرنے والی اور امن وسکون فراہم کرنے والی تھی۔ مگر آپؐ تو قبل از اعلانِ نبوّت کی زندگی میں بھی اَخلاق وکردار کی انتہائی بلندیوں پر تھے۔ ایک شخص نے آپؐ کے ساتھ کوئی لین دین کا معاملہ کیا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں۔ آپؐ اس کے انتظار میں وہاں کھڑے ہو گئے۔ شاید وہ شخص گھر جا کر بھول گیا اور واپس نہ آیا۔ اگلے دن اتفاق سے ادھر سے گزرا تو دیکھا آپؐ اسی جگہ کھڑے ہیں۔ وہ شخص شرمندہ ہوا' مگر آپؐ نے صرف اتنا کہا کہ تمہاری وجہ سے مجھے بہت تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔ یہ واقعہ

اُس وقت کا ہے جب آپؐ پر ابھی نزولِ وحی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

آپؐ نے اپنی عمر کے چالیس سال انتہائی سادگی کے ساتھ مکہ کے جاہلی معاشرے میں گزارے۔ وہاں ہر طرف اَخلاق باختہ عادات واطوار کا ماحول تھا' مگر آپؐ نے اپنے دامن کو کسی ادنیٰ سی برائی سے بھی آلودہ نہ ہونے دیا۔ یہاں جس قدر بھی تعجب کیا جائے کم ہے کہ اہل مکہ آپؐ سے معجزہ کا مطالبہ کرتے رہے۔ انہیں نظر آ رہا تھا کہ آپؐ جیسا اَخلاق وکردار پورے ماحول میں کسی کا نہ تھا۔ کیا یہ معجزہ نہ تھا! اگر دینِ آبائی کی زنجیریں اور اپنے مفادات کے طوق اُن کے لئے رکاوٹ نہ بنتے تو مکہ کا ہر شخص آپؐ کے اَخلاق وکردار کی عظمت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتا۔

آپؐ رحمۃ للعالمین تھے۔ آپؐ نے بے کسوں کی دست گیری' بیواؤں کی خبر گیری کا حکم دیا۔ آپؐ ضعیفوں اور کمزوروں کے کام آئے۔ معذوروں اور محتاجوں کی ضروریات کا خیال رکھا۔ عدل وانصاف کے معاملے میں اپنے پرائے کا فرق ختم کر دیا۔ عورت کے عزت ووقار کو بلند کیا۔ مَردوں کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ عورتوں کے حقوق کا خیال رکھیں۔ بچوں کے ساتھ محبت و پیار اور بڑوں کے لئے احترام کے جذبات رکھنے کی تعلیم دی۔ ہمسایوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے' بلکہ اُن کی خبر گیری کو ضروری ٹھہرایا۔ اور فرمایا کہ جس شخص نے خود سیر ہو کر کھایا اور اُس کا ہمسایہ بھوکا سویا تو وہ ہم میں سے نہیں۔ ہمسایے کے حقوق پر اس قدر زور دیا کہ بقول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایسا معلوم ہونے لگا کہ شاید ہمسایے کو وراثت میں حصہ دار ٹھہرا دیا جائے گا۔ معاشرے میں امن وسکون کی بحالی کے لئے فرمایا کہ مؤمن تو حقیقت میں وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی نہ تو مسلمان کے ہاتھ کسی پر زیادتی کریں گے اور نہ ہی وہ زبان سے کسی کو ستائے گا۔ کسی دوسرے کی چیز پر غاصبانہ قبضہ تو بہت دُور کی بات ہے' بغیر اجازت کسی کی کوئی چیز استعمال کرنے سے بھی منع فرمایا۔ آپؐ نے تعلیم دی کہ اپنا کام خود کیا جائے اور حتی الوسع کسی دوسرے پر اپنے کام کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔ آپؐ نے تو جانوروں سے کام لینے کے بھی ضابطے بتا دیئے تا کہ اُن پر بھی کسی طرح کا ظلم نہ ہونے پائے۔ آپؐ نے تعلیم دی کہ اپنے جانوروں کو

خوراک اُن کی ضرورت کے مطابق دو اور ان سے کام اُن کی استطاعت کے مطابق لو۔ حلال جانور کا گوشت کھانا جائز ہے مگر جانور کے ذبح کرنے میں بھی آپؐ کی تعلیمات رأفت اور رحمت کا مظہر ہیں۔ جانور کو بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح نہ کیا جائے۔ ذبح میں استعمال ہونے والی چھری کو پہلے سے تیز کر کے رکھا جائے تا کہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو۔ مذبوحہ کا جسم بے حرکت ہو جائے تو پھر اُس کی کھال کھینچی جائے' جبکہ اس معاشرے میں رواج یہ بھی تھا کہ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیتے تھے۔

حضور ﷺ نے ازدواجی زندگی کو تجرد کی زندگی پر ترجیح دی' بلکہ تجرد کی زندگی کو ناپسند فرمایا' کیونکہ یہ فطری تقاضوں کو فنا کرنے کے مترادف ہے۔ آپؐ نے بھرپور اور مصروف زندگی کو پسند کیا جس میں اللہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق کی بھی پوری پوری پاسداری کی جائے۔ والدین پر لازم کیا کہ وہ اولاد کے حقوق کا خیال رکھیں اور اولاد کو والدین کے آرام اور سکھ کا خیال رکھنے کی تلقین کی۔ اس طرح آپؐ نے معاشرے کے کسی فرد کو بھی بے یار و مددگار اور unattended نہیں چھوڑا۔

آپؐ کی اَخلاقی تعلیمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے آپؐ کے اَخلاق کو خود آنکھوں دیکھ کر بیان کیا ہے۔ حضرت زیدؓ آپؐ کے غلام تھے۔ اُن کے والد اور کچھ رشتہ دار آپؐ کے پاس آئے اور زید کو آزاد کرنے کی اپیل کی۔ آپؐ نے فرمایا زید کو لے جاؤ۔ وہ زید کی طرف متوجہ ہوئے تو زید نے اُن کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں رہنے کو آزادی پر ترجیح دی یہ۔ آپ کے حسنِ اَخلاق ہی کا نتیجہ تھا ؎

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

آپؐ نے غلاموں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تعلیم دی۔ فرمایا جو خود کھاؤ وہ انہیں کھلاؤ' جو خود پہنو انہیں بھی پہناؤ۔ یہ کیسی غلامی ہے۔ اس پر تو واقعی آزادی قربان کی جا سکتی ہے۔ آپؐ نے ہر شخص کو ذمہ دار ٹھہرایا اور اُسے ماتحتوں کے ساتھ نرمی اور عفو کا معاملہ کرنے کی تلقین کی۔ کسی حکمران اور مقتدر کو اپنے زیر دستوں پر زیادتی کی اجازت نہ

دی، بلکہ انہیں احساس دلایا کہ ہر وقت یاد رکھو کہ جس نے آج تمہیں اقتدار اور حکومت دی ہے وہ کل تم سے تمہارے اختیارات کے بارے میں ضرور پوچھے گا، لہٰذا ماتحتوں کے بارے میں آخرت کے سوال و جواب کے لئے ہر وقت تیار رہو۔

الغرض زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں آپؐ نے تعلیم نہ دی ہو یا عملی نمونہ نہ پیش کیا ہو۔ آپؐ کے اَخلاقِ حسنہ پر کئی کتابیں بھی لکھی جائیں تو موضوع کا حق ادا نہ ہو گا، مگر نصیحت حاصل کرنے کے لئے اشارات ہی کافی ہوتے ہیں۔ اَخلاق کی یہ خوبیاں آپؐ کی شخصیت کا جزو لاینفک تھیں، کیونکہ قرآن کی ساری الہامی تعلیمات پر آپؐ نے عمل کر کے دکھا دیا۔ بقول اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؐ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، آپؐ نے خود فرمایا ہے کہ مجھے اَخلاقی خوبیوں کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اُسوۂ حسنہ سے سبق سیکھے اور مسنون اَخلاقی خوبیوں کو اپنانے کی طرف سنجیدگی سے دھیان دے۔

بقیہ: مسلمانوں کا طرزِ حیات

رحمتیں بھی نازل ہوں گی اور اس کی نعمتیں بھی حاصل ہوں گی۔ ایک مسلمان پوری زندگی میں اس سے بڑھ کر اور کیا تمنا کر سکتا ہے! اے اللہ ہمیں بھی اپنی ولایت نصیب فرما! ہمیں اپنی نظر عنایت سے محروم نہ فرمانا! اور ہمیں اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمالے! آمین یا رَبّ العالمین!!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

بقیہ: ظروف واحوال

کے ختم ہونے پر حضورؐ نے دونوں مخالف فریقین قریش اور یہودیوں کے خلاف اقدام کیا تھا۔

افغانستان پر امریکی حملوں کی صورت میں اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی صلیبی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے، جس کا اصل معرکہ مشرق وسطیٰ میں گرم ہوگا۔ لہٰذا ہر صاحب ایمان فرد کا فرض بنتا ہے کہ اسلام کی حفاظت کے لئے اس جنگ میں بھرپور حصہ لے اور کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرے۔

(۳)

پاکستان کا اصل مسئلہ اسلامی نظام کا قیام ہے

۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۱ء کا خطاب جمعہ

پاکستانی عوام میں افغانستان سے متعلق موجودہ حکومت کی پالیسی کے خلاف ردعمل اور افغان عوام سے ہمدردی میں اضافہ ہو رہا ہے، جس کا مشاہدہ حالیہ ملک گیر ہڑتال اور عوامی ریلیوں اور مظاہروں میں بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حکومت کی آنکھوں پر دس پندرہ فیصد کی جو پٹی بندھی ہوئی ہے وہ اب اتر جانی چاہئے۔ عوامی تحریکوں کے آغاز میں عوام کی اکثریت ہمیشہ خاموش ہوا کرتی ہے لیکن جیسے جیسے کوئی ایسی بات آگے بڑھتی ہے جس کا گہرا تعلق عوام کے احساسات و جذبات کے ساتھ ہوتا ہے تو عوام متحرک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا حکومت وقت کو چاہئے کہ عوام کے جذبات و احساسات کے بارے میں صحیح اندازے قائم کر کے ان کے مطابق راہ عمل اختیار کرے۔

سلطنت خداداد پاکستان کا سب سے بڑا اور اصل مسئلہ اسلامی نظام کا قیام ہے جبکہ ہمارے باقی مسائل ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں کے مصداق ملک میں نفاذ اسلام نہ ہونے کی وجہ ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے قیام کا واحد جواز اور اس کے بقاء و استحکام کی واحد اساس صرف اسلام ہے۔ اگر ملک میں اسلامی نظام قائم ہو جائے تو نہ صرف ہمارے تمام مسائل حل ہو جائیں گے بلکہ ہم طالبان کی بہتر طور پر مدد کر سکیں گے اور قیامت سے پہلے دین اسلام کے عالمی غلبہ کے لئے بھی اپنا کردار ادا کر سکیں گے۔ موجودہ حالات میں دینی جماعتوں میں اتحاد و اتفاق کی فضا اور عوام میں دینی جذبات کا پیدا ہونا انتہائی خوش آئند ہے۔ چنانچہ وقت کا تقاضا ہے کہ دینی جماعتوں کو متحد ہو کر ملک میں نفاذ اسلام کی تحریک چلانی چاہئے۔

امریکہ کو معلوم ہے کہ ۱۱ ستمبر کے واقعہ میں اسرائیل ملوث ہے لیکن امریکہ میں یہودی لابی اتنی مضبوط ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف اقدام کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کھسیانی بلی کی مانند وہ اپنا سارا غصہ نہتے افغانیوں پر اتار رہا ہے۔ دوسری طرف افغان عوام بھی امریکہ کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ان کا بلند مورال قابل تعریف ہے اور جس کمال استقامت سے طالبان میدان میں ڈٹے

ہوئے ہیں وہ ان کے حق پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اگرچہ طالبان کے پاس امریکہ کے آگ اور لوہا برساتے طیاروں کا توڑ کرنے کے لئے ہتھیار نہیں ہیں تاہم امید ہے کہ اللہ کی مدد ونصرت کے بل پر وہ زمینی جنگ میں امریکہ کو منہ توڑ جواب دیں گے اور کامیاب وکامران ہوں گے۔ امریکہ نے دراصل روس کی نوآزاد ریاستوں کے تیل کے ذخائر تک رسائی کی غرض سے اس علاقہ میں اپنے قدم جمانے کے لئے یہ سارا ڈرامہ رچایا ہے جیسا کہ اس نے خلیج کی جنگ کے بہانے عرب ممالک کے تیل تک رسائی حاصل کی ہے۔ امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل کی پاکستان آمد کا مقصد صرف یہی تھا کہ پاکستان کو شمالی اتحاد کی مخالفت سے روکا جائے۔ دراصل امریکہ اپنے آدمی مروانے کو تیار نہیں اور وہ آئندہ شمالی اتحاد کی مدد کر کے طالبان کو نقصان پہنچانے کی حکمت عملی اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

(۴)

طالبان کی وقتی پسپائی حکمت عملی کی تبدیلی ہے

۱۶ نومبر ۲۰۰۱ء کا خطاب جمعہ

افغانستان کے دارالحکومت کابل سمیت بہت سے علاقوں سے طالبان کی وقتی پسپائی سے مسلمانان پاکستان کے دل رنج اور صدمے سے بھرے ہوئے ہیں لیکن یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ راہ حق میں اس نوع کی وقتی ہزیمت کا پیش آنا کوئی غیر معمولی اور خلاف توقع معاملہ نہیں ہے بلکہ آنحضور ﷺ کی سیرت میں بھی غزوۂ احد میں مسلمانوں کو عارضی شکست کا سامنا کرنا پڑا' لہٰذا مسلمانان پاکستان کو چاہئے کہ فرمان الٰہی ''اور کم ہمتی نہ دکھاؤ اور غم نہ کرو' تم ہی بالآخر غالب رہو گے اگر تم واقعی مومن ہوئے۔'' کو اپنے سامنے رکھیں اور دل چھوٹا نہ کریں۔ طالبان نے جس استقامت کے ساتھ ایک ماہ تک امریکی یلغار اور ہولناک بمباری کا مقابلہ کیا وہ ان کی غیر معمولی عزیمت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ تاہم امریکی طیاروں کی مسلسل بمباری کے پیش نظر جس کی ہلاکت خیزی سے طالبان کے ساتھ ساتھ عام شہریوں اور معصوم بچوں کی جانیں بھی محفوظ نہیں تھیں' طالبان نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی ہے اور کچھ علاقوں سے پسپائی کا فیصلہ کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اب پہاڑوں پر مورچہ زن ہو کر گوریلا وار کی تیاری میں ہیں۔

یہ خیال کرنا بڑی نادانی کی بات ہے کہ طالبان کی قوت کو کچل دیا گیا ہے یا ان کی ہمت جواب دے گئی ہے۔ امریکہ کو اس اعتبار سے شدید ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے اور طالبان کی قوت کو کچلنے اور اسے مقررہ اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ طالبان کی قیادت پہلے کی طرح پر عزم' جواں ہمت اور ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال ہے اور تا حال نصف افغانستان ان کے زیر تسلط ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرتے رہنا مسلمانان پاکستان کا دینی واخلاقی فریضہ ہے...... مجھے پورا یقین ہے کہ ''خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا'' کے مصداق افغانستان سے غلبہ اسلام کی سحر طلوع ہو کر رہے گی جو دنیا سے کفر والحاد کی تاریکیوں کو مٹا کر رکھ دے گی۔

نگاہ واپسیں

اشاریہ ماہنامہ ''میثاق''

جنوری ۲۰۰۰ء تا دسمبر ۲۰۰۱ء (جلد ۴۹، ۵۰)

تذکرہ وتبصرہ

اسرار احمد، ڈاکٹر

اہلِ پاکستان کی دینی ذمہ داریاں اور ان کی ادائیگی کے لوازم	جنوری ۲۰۰۰ء	ص ۷
قرآنی دعوت کا خلاصہ اور لبِ لباب	فروری ۲۰۰۰ء	ص ۱۱
بھارت کے ساتھ صلح حدیبیہ طرز کی مفاہمت	اپریل ۲۰۰۰ء	ص ۷
پاکستان...... فیصلہ کن دوراہے پر	مئی ۲۰۰۰ء	ص ۱۱
ابلیس اور یہود کا مشترکہ مشن	اگست ۲۰۰۰ء	ص ۷
علامہ اقبال اور قائداعظم کا تصورِ پاکستان (سیکولر نیشن سٹیٹ یا خلافت راشدہ)	ستمبر ۲۰۰۰ء	ص ۹
قیامِ پاکستان کے مخالف علماء کے موقف کا حقیقت پسندانہ جائزہ	اکتوبر ۲۰۰۰ء	ص ۹
انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لئے قرآن کا لائحہ عمل	فروری ۲۰۰۱ء	ص ۹
جمہوریت، اسلام اور پاکستان	مارچ ۲۰۰۱ء	ص ۹
عید الاضحیٰ اور ہمارے لئے لمحۂ فکریہ	اپریل ۲۰۰۱ء	ص ۹
دورۂ امارتِ اسلامی افغانستان: مشاہدات و تاثرات	جون ۲۰۰۱ء	ص ۵
سود کا خاتمہ اور نفاذِ شریعت: دینی جماعتوں کے لئے لمحۂ فکریہ	جولائی ۲۰۰۱ء	ص ۷
مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہماری غلطیاں اور اس کا واحد قابلِ عمل حل	ستمبر ۲۰۰۱ء	ص ۷
پاک بھارت تعلقات	ستمبر ۲۰۰۱ء	ص ۴۳
پاکستانی معاشرے کی نئی قطبی تقسیم: پاکستان میں اسلامی انقلاب کی تمہید	ستمبر ۲۰۰۱ء	ص ۵
امریکہ پر عذابِ الٰہی: کس کے ہاتھوں؟	ستمبر ۲۰۰۱ء	ص ۱۰
صدر پرویز مشرف کے دلائل کا تنقیدی جائزہ	ستمبر ۲۰۰۱ء	ص ۱۹
امریکی دھونس اور ہمارا طرزِ عمل	اکتوبر ۲۰۰۱ء	ص ۳۲
انسانیت کے اصل دشمن	اکتوبر ۲۰۰۱ء	ص ۳۴
نوعِ انسانی کے اصل اور مستقل دشمن کون؟	دسمبر ۲۰۰۱ء	ص ۹
''پاکستانی معاشرے کی نئی قطبی تقسیم''...... چند وضاحتیں	دسمبر ۲۰۰۱ء	ص ۷۱

مختار حسین فاروقی

ہماری موجودہ حکومت کس کے سہارے کھڑی ہے؟ — نومبر ۲۰۰۰ء — ص ۵

ملکی و ملی اور سیاسی امور

اسرار احمد' ڈاکٹر

ملکی اور ملی مسائل پر اظہار رائے — جنوری ۲۰۰۰ء — ص ۵
لاہور پریس کلب میں متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے صدر کا خطاب — فروری ۲۰۰۰ء — ص ۷
جنرل پرویز مشرف کی خدمت میں چند گزارشات — مارچ ۲۰۰۰ء — ص ۴۳
ملکی' ملی اور بین الاقوامی حالات پر تبصرہ — مئی ۲۰۰۰ء — ص ۶
ملکی' ملی اور بین الاقوامی حالات پر تبصرہ — جون ۲۰۰۰ء — ص ۷۱
ملکی' ملی اور بین الاقوامی حالات پر تبصرہ — جولائی ۲۰۰۰ء — ص ۷۷
ملکی' ملی اور بین الاقوامی حالات پر تبصرہ — ستمبر ۲۰۰۰ء — ص ۷۹
ملکی' ملی اور بین الاقوامی حالات پر تبصرہ — اکتوبر ۲۰۰۰ء — ص ۵
ملکی اور ملی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے تبصرے — فروری ۲۰۰۱ء — ص ۵
ملکی اور ملی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے تبصرے — مارچ ۲۰۰۱ء — ص ۴
ملکی اور ملی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے تبصرے — اپریل ۲۰۰۱ء — ص ۵
ملکی اور ملی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے تبصرے — مئی ۲۰۰۱ء — ص ۵
ملکی اور ملی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے تبصرے — جون ۲۰۰۱ء — ص ۸۰
مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہماری غلطیاں اور اس کا واحد قابل عمل حل — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۷
پاک بھارت تعلقات — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۴۳
بیان پریس کانفرنس (۱۰ اگست ۲۰۰۱ء) — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۷۱
بعض سوالات کے جوابات — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۷۷
پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۸۰
پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۸۷
بیان پریس کانفرنس (۱۲۵ کتوبر ۹۵ء) — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۹۹
مسئلہ کشمیر: تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۱۰۳

پاک بھارت تعلقات...... قائداعظم کی نگاہ میں — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۷۸
مسئلہ کشمیر کے ضمن میں مولانا مودودی مرحوم کا تاریخی انٹرویو — ستمبر ۲۰۰۱ء — ص ۱۰۵

عاکف سعید

زندگی اور موت کا مسئلہ	اکتوبر ۲۰۰۰ء ص ۸۷

اسلامی نظام حیات

ابوبکر الجزائری/مترجم: عطاء اللہ ساجد

مسلمانوں کا طرز حیات (کتاب العقائد)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان	جنوری ۲۰۰۰ء ص ۴۵
اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان	فروری ۲۰۰۰ء ص ۴۵
اللہ کے رسولوں پر ایمان	مارچ ۲۰۰۰ء ص ۴۳
محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان (۱)	مئی ۲۰۰۰ء ص ۶۴
محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان (۲)	جون ۲۰۰۰ء ص ۳۷
قیامت پر ایمان (۱)	اگست ۲۰۰۰ء ص ۵۱
قیامت پر ایمان (۲)	اکتوبر ۲۰۰۰ء ص ۶۷
قبر کا عذاب اور راحت	نومبر ۲۰۰۰ء ص ۴۲
تقدیر پر ایمان	دسمبر ۲۰۰۰ء ص ۴۵
توحید عبادت	فروری ۲۰۰۱ء ص ۸۹
اللہ کے ولی اور کرامت	اپریل ۲۰۰۱ء ص ۴۳
شیطان کے ولی اور شعبدہ بازی	مئی ۲۰۰۱ء ص ۶۵
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا وجوب اور اس کے آداب	جون ۲۰۰۱ء ص ۵۸
صحابہ کرامؓ کی محبت اور ان کی افضلیت پر ایمان	جولائی ۲۰۰۱ء ص ۵۷

مسلمانوں کا طرز حیات (کتاب الآداب)

آداب نیت	اکتوبر ۲۰۰۱ء ص ۶۱
اللہ عزوجل کا ادب	دسمبر ۲۰۰۱ء ص ۱۰۹

اسرار احمد، ڈاکٹر

اسلام میں عورت کا مقام (i)	اپریل ۲۰۰۱ء ص ۲۳
اسلام میں عورت کا مقام (ii)	مئی ۲۰۰۱ء ص ۲۳
اسلام میں عورت کا مقام (iii)	جون ۲۰۰۱ء ص ۳۵

اسلام میں عورت کا مقام (iv) — جولائی ۲۰۰۱ء — ص ۱۳

جمیل الرحمٰن شیخ

اسلام اور عورت — دسمبر ۲۰۰۱ — ص ۹۶

حقیقت دین

اسرار احمد، ڈاکٹر

۱۔ اخلاص فی العبادۃ اور اقامت دین کی اہمیت وفرضیت — جون ۲۰۰۰ء — ص ۹
۲۔ اخلاص فی العبادۃ اور اقامت دین کی اہمیت وفرضیت — جولائی ۲۰۰۰ء — ص ۷
۳۔ توحید عملی کا فریضہ اقامت دین سے ربط وتعلق — اگست ۲۰۰۰ء — ص ۳۵
۴۔ توحید عملی کا فریضہ اقامت دین سے ربط وتعلق — ستمبر ۲۰۰۰ء — ص ۵۷
۵۔ توحید عملی کا فریضہ اقامت دین سے ربط وتعلق — اکتوبر ۲۰۰۰ء — ص ۴۳
۶۔ توحید عملی کا فریضہ اقامت دین سے ربط وتعلق — نومبر ۲۰۰۰ء — ص ۱۷
۷۔ توحید عملی کا فریضہ اقامت دین سے ربط وتعلق — دسمبر ۲۰۰۰ء — ص ۲۴
۸۔ توحید عملی کا فریضہ اقامت دین سے ربط وتعلق — فروری ۲۰۰۱ء — ص ۶۷
۹۔ توحید عملی کا فریضہ اقامت دین سے ربط وتعلق — مارچ ۲۰۰۱ء — ص ۳۳

حقیقت دین (ٹی وی پروگرام)

قسط ۱ — نومبر ۲۰۰۰ء — ص ۷
قسط ۲ — دسمبر ۲۰۰۰ء — ص ۱۵
قسط ۳ — فروری ۲۰۰۱ء — ص ۵۷

تذکیر وموعظت

ابوالحسن علی ندوی

قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب — مارچ ۲۰۰۰ء — ص ۱۷

شبیر بن نور، ابو عبدالرحمٰن

تجھے کیا ملے گا نماز میں؟ (i) — مارچ ۲۰۰۰ء — ص ۲۹
تجھے کیا ملے گا نماز میں؟ (ii) — اپریل ۲۰۰۱ء — ص ۶۳

فرخ رشید

رمضان اور روزے کی اہمیت — جنوری ۲۰۰۰ء ص ۶۷

محمد عالم ندوی

اللہ قرض سے بچائے — مارچ ۲۰۰۱ء ص ۵۵

مختار حسین فاروقی

الصلوٰۃ الوسطیٰ — اکتوبر ۲۰۰۱ء ص ۳۶

محمد یونس جنجوعہ

زبان کی حفاظت — اکتوبر ۲۰۰۱ء ص ۵۵

اخلاقِ نبویؐ — دسمبر ۲۰۰۱ء ص ۱۱۹

توضیحات و تنقیحات

ابوالحسن علی ندوی

مقام انسانیت — فروری ۲۰۰۰ء ص ۳۴

خورشید گیلانی، صاحبزادہ

اجتہاد — ایک ضرورت، ایک نعمت — اپریل ۲۰۰۰ء ص ۵۸

انیس احمد مرحوم

جہاد اور مسلمان عورتیں — جون ۲۰۰۰ء ص ۵۷

شاہد حفیظ چوہدری

خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط ولادت — اپریل ۲۰۰۱ء ص ۵۱

عبدالجبار سلفی

وسیلہ کیا ہے؟ — اگست ۲۰۰۰ء ص ۵۸

عبدالرشید عراقی

جامع القرآن کون: ابوبکر صدیقؓ یا عثمان غنیؓ؟ — جنوری ۲۰۰۰ء ص ۲۹

کلیم رحمانی

دعوت کے پہلے ہی حکم میں حکومت الٰہیہ کا اعلان — اکتوبر ۲۰۰۱ء ص ۴۷

محبوب الحق عاجز

انسان کا مقصد تخلیق — مئی ۲۰۰۱ء ص ۴۸

محمد رشید قمر
فرد کا عروج و زوال: مطالبات دین کے آئینہ میں | جنوری ۲۰۰۰ء | ص ۴۱
محمد عیسیٰ کاندھلوی
جدید نظریاتی چیلنج اور علماء کرام | نومبر ۲۰۰۰ء | ص ۴۷

دار العلوم حقانیہ
سی ٹی بی ٹی کی شرعی حیثیت | مارچ ۲۰۰۰ء | ص ۴۹

خطوط و نکات/ افکار و آراء

تنظیم کے ایک رفیق کا خط اور امیر تنظیم کا جواب | فروری ۲۰۰۰ء | ص ۷۷
یوپی (بھارت) سے مولانا ذکاء اللہ ندوی کا مراسلہ | اکتوبر ۲۰۰۰ء | ص ۷۵
کراچی سے اقبال احمد صدیقی کا مکتوب | اکتوبر ۲۰۰۰ء | ص ۷۷
بیعت ـــــ ایک اشکال اور اس کا جواب | مارچ ۲۰۰۱ء | ص ۵۹
نصابی کتب میں اہل سنت کی دل آزاری کیوں؟ | مارچ ۲۰۰۱ء | ص ۶۲
دو قومی نظریہ اور علماء ہند کا موقف | اپریل ۲۰۰۱ء | ص ۷۴
(سید شہاب الدین کا مکتوب اور امیر تنظیم اسلامی کا جواب)
جنرل پرویز مشرف کے نام ابوالحسیب صافی کا کھلا خط | جولائی ۲۰۰۱ء | ص ۷۸
امیر تنظیم اسلامی کے نام خطوط اور ان کے جوابات | اکتوبر ۲۰۰۱ء | ص ۶۶

افہام و تفہیم

حاضرین درس کے سوالات اور امیر تنظیم اسلامی کے جوابات | مارچ ۲۰۰۰ء | ص ۶۹

سیرت و سوانح

خورشید عالم، پروفیسر
علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ | فروری ۲۰۰۰ء | ص ۵۷
عبدالرشید عراقی
سید سلیمان ندوی کے علمی کارنامے | نومبر ۲۰۰۰ء | ص ۷۵
محبوب احمد خان
حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ | نومبر ۲۰۰۰ء | ص ۶۲

محمد صفدر ساجد
امام ابن تیمیہؒ — جنوری ۲۰۰۰ء، ص ۶۱

یادِ رفتگان

اسرار احمد، ڈاکٹر
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (i) — مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۷
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ii) — اپریل ۲۰۰۰ء، ص ۳۵
نعیم اختر عدنان
خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود (صاحبزادہ خورشید گیلانی) — جولائی ۲۰۰۰ء، ص ۷۵

عالم اسلام

ابو معاذ، ڈاکٹر
فکر عجم ...... برصغیر میں شیعیت کا فروغ — جنوری ۲۰۰۰ء، ص ۷۱
فکر عجم ...... پیش گفتار (i) — ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۵۳
فکر عجم ...... پیش گفتار (ii) — فروری ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۳
فکر عجم ...... پیش گفتار (iii) — مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۶۶
حامد محمود، حافظ
کیا امت مسلمہ کو نئے ممالک فتح کرنے کا مسئلہ درپیش ہے؟ (i) — مئی ۲۰۰۱ء، ص ۷۱
کیا امت مسلمہ کو نئے ممالک فتح کرنے کا مسئلہ درپیش ہے؟ (ii) — جون ۲۰۰۱ء، ص ۸۰
سلطان بشیر الدین محمود
افغانستان پر عالمی پابندیاں کیوں؟ — مئی ۲۰۰۱ء، ص ۷
نصیر احمد ناصر
تاریخ [illegible] اور مسلمان — مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۷۸

دعوت و تحریک

عبدا[illegible] ڈاکٹر
[illegible] کا انتخاب — جولائی ۲۰۰۰ء، ص ۷۷

عبیداللہ فلاحی
حزب اللہ: بیسویں صدی کی پہلی اسلامی تحریک — جولائی ۲۰۰۰ء ص ۳۷
عمر مظفر
تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کا تربیتی و مشاورتی اجلاس — ستمبر ۲۰۰۰ء ص ۶۹

گوشۂ خواتین

اُم منذر
اسلام اور عورت — مئی ۲۰۰۰ء ص ۷۰
عاتکہ خان
شرعی پردہ اور ہماری خواتین — اپریل ۲۰۰۰ء ص ۷۶
فرخ رشید
اسلامی روایات سے روگردانی کے اثرات — جون ۲۰۰۰ء ص ۷۷
فرزانہ رشید
سیرت حضرت عائشہؓ — مارچ ۲۰۰۰ء ص ۶۴

متفرقات

بنجامن فرینکلن
امریکہ ایک حقیقی خطرہ کی زد میں ہے — دسمبر ۲۰۰۱ء ص ۹۴
ڈیوڈ ڈیوک/ مترجم: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
عالمی فساد اور افراتفری کے پیچھے کارفرما حقیقی بدروح — دسمبر ۲۰۰۱ء ص
سفر الحوالی
قیام اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (i) — جون ۲۰۰۰ء ص ۴۷
قیام اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (ii) — جولائی ۲۰۰ء ص ۶۳
قیام اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (iii) — اگست ۲۰۰۰ء ص ۴۲
قیام اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (iv) — اکتوبر ۲۰۰۰ء ص ۵۴
قیام اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (v) — نومبر ۲۰۰۰ء ص ۵۳
قیام اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (vi) — دسمبر ۲۰۰۰ء ص ۶۸